گناہِ بے گناہی
پروفیسر محمد مسعود احمد
المجمع الاسلامی۔ مبارکپور۔ اعظم گڈھ۔ یوپی

امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے بہتان کا تحقیقی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمدآباد گوہنہ، یو۔پی ۲۷۶۴۰۳

سلسلۂ اشاعت نمبر ۲۲

کتاب : گناہِ بے گناہی
تالیف : پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
کتابت : محمد صدّیق فانی
ناشر : المجمع الاسلامی مبارکپور
صفحات : ۹۶ قیمت :
مطبع : تعداد : دو ہزار

اِشاعت اول : ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء المجمع الاسلامی مبارکپور
" دوم : ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء مرکزی مجلسِ رضا لاہور
" سوم : ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء " " "
" چہارم : ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء " " "
" پنجم : ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۴ء ادارہ تحقیقات امام احمد رضا
" ششم : ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء المجمع الاسلامی مبارکپور

بتعاون : مکتبۂ انوار المصطفٰی — حیدر آباد

ملنے کے پتے

المجمع الاسلامی — فیض العلوم — محمد آباد گوہنہ ۲۷۶۴۰۳ — یوپی
مکتبہ انوار المصطفٰی — ۶/۷۵-۲-۲۳ مغل پورہ حیدر آباد، اے پی

انتساب

اُن حریت پسندوں کے نام

- جنہوں نے ناموسِ اسلام کی حفاظت کے لئے آن کو آن نہ سمجھا، جان کو جان نہ سمجھا ——
- جنہوں نے فرنگیوں کے آگے سر نہ جھکایا، ایک خدا کو اپنا خدا سمجھا۔
- جنہوں نے فرنگیوں کے گیت کبھی نہ گائے، نعتِ مصطفےٰ میں زندگی بسر کی۔
- جو نہ فرنگیوں کو چاہتے تھے، نہ اُن کے چاہنے والوں کو چاہتے تھے۔
- جنہوں نے فرزندانِ اسلام کو کفار و مشرکین کے نرغے سے نکالا۔
- جنہوں نے ملّتِ اسلامیہ کی آسودگی کی خاطر اپنی عزتیں قربان کیں، اپنی جانیں نذر کیں۔
- جنہوں نے ممالکِ اسلامیہ کی راہ سے کانٹے ہٹائے، پھول بچھائے۔
- جنہوں نے اپنا خون پسینہ اغیار کے لئے نہیں، اسلام کیلئے بہایا۔
- جن کے دامن داغِ موالاتِ مشرکین سے بے داغ رہے۔
- جنہوں نے غلامی کی تاریک راتوں میں اُجالے کئے۔
- جنہوں نے گرتی قوم کو تھاما، ڈوبتی نیا کو پار لگایا۔
- جن پر اسلام ناز کرتا ہے، جن پر کفر ماتم کرتا ہے۔
- جن کی محبتوں میں ساز تھا، جن کی نفرتوں میں سوز تھا۔
- جو جانِ اخلاص تھے، اور ایسے یک رنگ کہ دو رنگی کا گزر تک نہیں۔
- جن کی زبانیں وہی کہتی تھیں جو دِل پہ گزرتی تھی، جن کی ہر بات پر دِل گواہی دیتا تھا۔
- جو دل دردمند رکھتے تھے، جو چشمِ پُرنم رکھتے تھے۔
- ہاں، وہ چمکتے ماہتاب، راتیں جن کو ترس رہی ہیں۔
- ہاں، وہ دمکتے آفتاب، صبحیں جن کا انتظار کر رہی ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

حرفِ آغاز

راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے، ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعے سے محروم رہا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوائے والد ماجد حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے موئیدین سے رہا لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور ہی عالم نظر آیا جس نے حیران و ششدر کر دیا ــــ اللہ اکبر! ــــ حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا ــــ اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں، حیرانی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

مطالعہ و مشاہدہ نیک و بد اور خیر و شر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے۔ پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لئے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لئے نہیں ــــ مطالعہ کے بعد جب جہل و لاعلمی کے پردے اُٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے ــــ تو دیکھنے والوں نے دن کی روشنی میں دیکھا اور بہت کچھ لکھا اور شائع کیا ــــ پاک و ہند کے مختلف علمی اداروں، مجلسوں اور ناشروں نے اپنی سی کوشش کی ــــ اب جامعات میں بھی کام شروع ہو گیا ہے، ایم اے کے پرچوں میں امام احمد رضا پر سوالات آ رہے ہیں اور تحقیقی کام بھی ہو رہے ہیں مثلاً ایک فاضل نے پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) سے امام احمد رضا کی فقاہت پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے، ایک فاضلہ جبل پور یونیورسٹی (بھارت) سے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹریٹ کر رہی اور دوسری فاضلہ سندھ یونیورسٹی (پاکستان) سے امام احمد رضا کی شخصیت پر ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں ــــ اس طرح کام ہو رہا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔

گزشتہ دس برسوں میں راقم نے امام احمد رضا کی سیرت کے مختلف گوشوں پر

خامہ فرسائی کی مگر پیش نظر گوشہ ہنوز تشنۂ تکمیل تھا۔ ۱۹۷۹ء میں انگلستان سے جناب
محمد الیاس صاحب (سیکرٹری مجلس رضا، مانچسٹر) نے لکھا کہ امام احمد رضا پر انگریز
نوازی کے الزام کے خلاف ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جائے۔ چوں کہ راقم حیات امام احمد رضا
(بسیط)[1] کی تدوین میں مصروف تھا اس کے علاوہ الزامات کے تعاقب سے بالعموم گریز
کرتا ہے اس لئے معذرت پیش کردی ــــــ اوائل ۱۹۸۰ء میں کتاب مذکور کی
تدوین سے فارغ ہوا تو موصوف نے پھر یاددہانی کرائی اور باصرار تقاضا کیا۔ اس وقت
راقم علوم جدیدہ و قدیمہ اور امام احمد رضا کے عنوان سے ایک مقالہ کا آغاز کر چکا تھا، نومبر
۱۹۸۰ء میں جب اس سے فارغ ہوا تو پیش نظر موضوع کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ
یہ بھی کہ پڑھا لکھا طبقہ غلط فہمی کی بنا پر اس الزام تراشی سے متاثر نظر آتا ہے، ضروری تھا
کہ غلط فہمیاں دور کی جائیں اور مورخین و محققین سے جو فرد گزاشت ہو گئی ہے اس کا ازالہ
کیا جائے ــــــ اس سلسلے میں یہاں صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے
مندرجہ بالا حقیقت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ــــــ۔

راقم کے کرمفرما پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے ایک کتاب[2] کے مقدمے
میں امام احمد رضا اور مولانا اشرف علی تھانوی کے لئے یہ اظہار خیال فرمایا:-

انگریز نے توڑ کے لئے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے[3] ــــــ یہ بات
خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء)
اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۹۲۱ء) ہر دو مختلف الخیال علماء نے

۱؎ یہ کتاب مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ سے شائع کر رہا ہے۔ حیات امام احمد رضا (بسیط) کی تدوین کا بھی ارادہ ہے، مواد فراہم کر لیا گیا ہے۔ جب خدا کو منظور ہوا یہ کام بھی ہو جائے گا۔ مسعود

۲؎ خورشید احمد: پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء، ص ۱۴۱

۳؎ پروفیسر سید جمال الدین (شعبہ تاریخ، جامعہ ملیہ، دہلی) نے اپنے ایک غیر مطبوعہ انگریزی مقالے میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں امام احمد رضا کے کردار کا جائزہ لیا ہے مگر وہ بھی ایسی (بقیہ ص ۶)

ترکِ موالات کے خلاف علماء و مولوی و فتوے دیئے جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے گئے۔ ۱؎

اس کے برخلاف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

تھانوی اور بریلوی مکاتب فکر گو کسی طرح بھی برطانیہ کے دلدادہ نہ تھے مگر وہ ہندوؤں کے عزائم کے بارے میں بہت ہی متشکک تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ مسلم قیادت مہاتما گاندھی اور انڈین نیشنل کانگرس کے زیر نگیں ہو جائے ——— وہ اس حقیقت سے اور بھی حیران و پریشان تھے کہ مہاتما گاندھی کے منشور اور انڈین نیشنل کانگرس کی تجاویز کی حمایت و تائید کے لئے مفتیان اسلام قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی تلاش میں سرگرم عمل تھے۔ ۲؎

(بقیہ حاشیہ ص۵) شہادت پیش کرنے سے قاصر ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ امام احمد رضا نے انگریزوں کے ایماء پر بالواسطہ یا بلاواسطہ فتوے لکھا۔ (فوٹو اسٹیٹ کاپی، مملوکہ راقم الحروف)

بالفرض ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام احمد رضا نے انگریزوں کے ایماء پر فتویٰ دیا تو ظاہر ہے کہ انسان کوئی اہم اور خطرناک کام کسی نہ کسی منفعت کے لئے کرتا ہے مگر جہاں تک تاریخی شواہد کا تعلق ہے امام احمد رضا کو حکومت برطانیہ کی طرف سے کوئی انعام نہیں ملا، پھر وہ تو اس تحریک کے دوران ہی ۱۹۲۱ء میں انتقال فرما گئے تھے، کم از کم ان کے صاحبزادگان کو انعامات سے نوازا جاتا مگر ایسی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی ——— بلاشبہ یہ علم تاریخ کے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ ہے کہ جو زندگی کے کسی مرحلے پر انگریزوں کا خیر خواہ نہ بنا، اس کو خیر خواہ مشہور کیا گیا اور اس کے مخالفین جو کسی نہ کسی مرحلے پر انگریزوں کے خیر خواہ رہے، بدخواہ تسلیم کئے گئے۔

۱؎ خورشید احمد: پاکستان میں آئین کی تدوین، ص ۱۴

۲؎ اشتیاق حسین قریشی: علماء ان پالیٹکس (انگریزی)، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء، ص ۲۷۰

ان حقائق کے پیش نظر راقم نے اپنی تالیف فاضل بریلوی اور ترک موالات[1] کے دوسرے ایڈیشن میں پروفیسر محمد ایوب قادری کے خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا :-

پاکستان کے ایک قلمکار پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک جگہ یہ عجیب اظہار خیال فرمایا ہے ۔[2]

راقم نے یہ اڈیشن اپنے ایک دیرینہ کرمفرما کو ارسال کیا ۔ موصوف حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں ۔

کرمفرمائے موصوف نے راقم کی کتاب پڑھ کر جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ اعلیٰ طبقے کے اندیشوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی کرتے ہیں ، ملاحظہ فرمائیں :-

اگرچہ آپ نے ص ۵۷ پر پروفیسر محمد ایوب قادری کا "عجیب اظہار خیال" نقل کیا ہے لیکن ان کے اس وزنی اعتراض کا جواب نہیں دیا ۔ اگر یہ سنگین الزام ثابت ہو جائے کہ انگریزوں کے ایما پر فاضل بریلوی نے ترک موالات کے خلاف فتوے دیا تھا تو یہ عنداللہ بہت بڑا جرم ہوگا کیونکہ دنیا میں انگریزوں سے بڑھ کر مسلمانوں اور اسلام کی دشمن اور کوئی قوم نہیں ہوتی، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں ، لہٰذا اگر سیاسی غلامی سے نجات کی خاطر اہل ہندوستان میں مسلمان ، ہندو ، سکھ وغیرہ نے سیاسی گٹھ جوڑ کیا تو یہ شرعی طور پر ہندو مسلم اتحاد نہیں بنتا جس کے خلاف فاضل بریلوی نے اپنا زور قلم صرف کیا اور دیگر علماء از قبیل مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ نے فتوے دیتے .....

.... آپکو چاہیئے تھا کہ تاریخی اور دستاویزی شواہد سے

---

[1] اس کا پہلا اڈیشن مرکزی مجلس رضا (لاہور) نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ۔ اس کے بعد تقریباً پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔ مسعود

[2] محمد مسعود احمد : فاضل بریلوی اور ترک موالات ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ، ص ۵۷

اس سنگین الزام کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے۔ فاضل بریلوی کی علمیت اظہر ہے، اخلاص اور نیک نیتی ثابت کرنی چاہیئے تھی تاکہ جو الزام پروفیسر قادری نے (کسی مضبوط وجہ سے) لگایا اس کا رد ثابت ہوتا ـــــ [1]

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

ہندوستان کو غلامی سے آزاد کرانے کی خاطر اگر متفقہ طور پر کوئی اقدام اٹھایا گیا تو کیوں معیوب ٹھہرا جب کہ دوسری طرف سے انگریزوں کی ایماء پر عالمانِ شریعت عظام دُنیا کی خاطر اپنا ایمان بیچ ڈالیں ـــــ [3]

ان خیالات کا اظہار ۱۹۷۳ء میں کیا گیا تھا الزام کا جواب اس لئے نہ لکھا گیا کہ راقم بے بنیاد الزامات کے تعاقب میں نہیں پڑتا اور تعمیری و تحقیقی اور مثبت کام کو فوقیت دیتا ہے کیوں کہ بالعموم دیکھا یہ گیا ہے کہ قبول حق کے بجائے مخالف نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں آنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی کوشش ہمیشہ منفی رہتی ہے، مثبت نہیں، اپنی بات نبھانے کے لئے ہزار جتن کرتا ہے۔ اس لئے الزامات کے تعاقب سے مخالف کو پریشان کرنے اور مصروف رکھنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا حالاں کہ اختلاف رائے کی قدر کی جانی چاہیئے لیکن بعض دانشوروں کا حال تو یہ ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے دوستی و محبت کو بالائے طاق رکھ کر مخالفت

---

[1] مکتوب کے تیور بتا رہے ہیں کہ جانب دیگر جھکاؤ ہے۔ پھر مدعی کے ساتھ یہ رعایت کہ شہادت سے مستغنی کر دیا گیا اور مدعا علیہ پر یہ شدت کہ شہادتیں طلب کی جا رہی ہیں ـــــ ایک طرف یہ سوء ظن کہ انگریزوں کے ایماء پر فتوے لکھا گیا اور دوسری طرف یہ حسن ظن کہ "کسی مضبوط وجہ سے" الزام لگایا گیا اس سوء ظن اور حسن ظن میں مطالعہ سے زیادہ کردہ پروپیگنڈے کا دخل ہے۔ مسعود

[2] مکتوب محررہ ۱۲ را پریل ۱۹۷۳ء از کراچی

[3] ایضاً نوٹ :- اب بات کھل کر سامنے آگئی جس الزام کے لئے دلائل و شواہد کی طلب تھی، اب وہ بے دلیل تسلیم کر لیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پر اُتر تے ہیں[1]، گویا تاریخی حقائق بھی کوئی عقائد ہیں کہ ان سے اختلاف کرنے والا گردن زدنی قرار پائے۔ راقم الحروف تاریخی حقائق اور عقائد دونوں کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کا قائل ہے۔ اختلاف رائے کی صورت میں دلائل و براہین سے قائل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ تاریخ کو تاریخ کے مقام پر رکھا جائے لیکن اگر عقیدے کا درجہ دے دیا گیا اور اس پر اصرار کیا گیا کہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" تو بات بگڑتی جائے گی اور ضد بحث کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس سے سوائے تلخیوں اور افتراق کے کچھ حاصل نہیں اسی لئے راقم نے خود کو مثبت تحقیقات کیلئے وقف کر رکھا ہے گو بعض طبائع پر یہ بھی گراں ہے۔ اپنے طبعی میلان کی وجہ سے ۱۹۷۳ء سے اب تک امام احمد رضا پر اس الزام کے خلاف تفصیلاً کچھ نہ لکھا لیکن بہتان طرازی اور الزام تراشی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا اور حقائق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خود دانشوروں کو گومگو کے عالم میں پایا بلکہ بعض دانشوروں کو الزام تراشی کی اس مہم میں سرگرم عمل پایا تو اس طرف متوجہ ہونا پڑا ——— امام احمد رضا کے مخالفین کے لئے نہیں کیونکہ مخالفت جب عقیدۂ راسخہ بن جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں سوائے غیبی ہدایت کے ——— جو کچھ لکھا گیا ان دانشوروں کے لئے جو کچھ جاننا چاہتے ہیں اور ان جوانوں کے لئے جو تاریخ کی سچی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں امید ہے کہ یہ مقالہ حق پسند طبیعتوں کے لئے کافی و شافی ہوگا۔ مولا تعالیٰ ہم سب کو قبول حق کی توفیق خیر رفیق عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر ہدایت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ، پاکستان)

۳۰ر محرم الحرام ۱۴۰۱ھ
۹ر دسمبر ۱۹۸۰ء

---

[1] یہی صورت حال راقم کو درپیش ہے، ایک دیرینہ کرم فرما جو بفضلہ تعالیٰ پی۔ ایچ۔ ڈی بھی ہیں راقم سے اس لئے خوش نہیں کہ امام احمد رضا پر کیوں تحقیق کرتا ہے، چنانچہ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "کیا احمد رضا خاں کے علاوہ آپ کسی اور موضوع پر لکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟" (مکتوب محررہ ۲۶ نومبر ۱۹۸۰ء از اسلام آباد) ——— شاید ان کے علم میں نہیں کہ گذشتہ ۴۲ سالوں میں راقم ایک سو سے زیادہ موضوعات پر قلم اٹھا چکا ہے۔ مسعود

مشمولات

۳۔ تعلیم و تہذیب

۳۶ ۔۔ تا ۔۔ ۴۰

- انگریزی تعلیم سے نفرت
- انگریزی تہذیب سے نفرت
- مولانا حامد رضا خاں کی انگریزی تہذیب پر سخت تنقید

۴۔ فکر و خیال

۴۰ ۔۔ تا ۔۔ ۴۲

- نیوٹن پر تنقید
- البرٹ آئین اسٹائن پر تنقید
- البرٹ ایف ۔ پورٹا پر تنقید

۵۔ مؤیدین، مقلدین، محبین نصاریٰ

۴۲ ۔۔ تا ۔۔ ۴۹

- مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف امام احمد رضا کا رسالہ
- برادر احمد رضا، مولانا حسن رضا خاں کا رسالہ
- فرزند احمد رضا، مولانا حامد رضا خاں کا رسالہ
- تحریک ختم نبوت میں امام احمد رضا کے متبعین کا کردار
- سر سید احمد خاں پر تنقید
- ندوۃ العلماء پر تنقید

۶۔ خلوت و جلوت

۴۹ ۔۔ تا ۔۔ ۵۰

- انگریز کی صورت سے نفرت
- برادر مجاہد جنگ آزادی مولانا عبد القادر بدایونی سے محبت

از :- مولانا افتخار احمد قادری
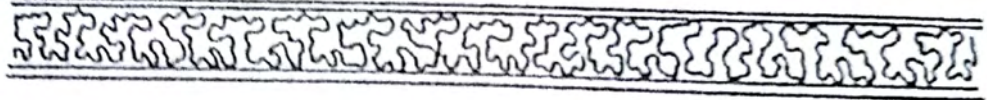
نصاریٰ، نصرانی افکار، نصرانی تہذیب و تمدن کے خلاف امام احمد رضا کے اقوال و افکار ——— اور معاصرین کی تائیدات۔

(۱)

نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ - - - - - - - - بلاشبہ مشرکین ہیں کہ
وہ بالقطع قائل بہ تثلیث و بُنوت ہیں۔

(امام احمد رضا : اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام (مصنفہ ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء ،
مطبوعہ بریلی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء ، ص ۹)

(۲)

اللہ اللہ یہ قوم ! ______ یہ قوم ، سراسر لوم ____ یہ لوگ ، یہ لوگ
جنہیں عقل سے لاگ[۱] ______ جنہیں جنون کا روگ ____ یہ اس
قابل ہوتے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان
دھریں ! ______ انا للہ وانا الیہ راجعون !

{(امام احمد رضا : الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام (مصنفہ ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء)
مطبوعہ لاہور ، ص ۱۹ ۔ ۲۰ }

(۳)

انگریزی اور بے سود تضییع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین ،
دنیا میں بھی نہیں پڑتا ، صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آں لہلات
میں مشغول ہو کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا
نہ ہو ، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے۔

(امام احمد رضا : المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (مصنفہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء) مطبوعہ لاہور
۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء ، ص ۹۳)

---

[۱] دشمنی ۱۲

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام ، اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام ، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار ، مستحق عذاب ۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار

(امام احمد رضا : العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ، جلد سوم ، مطبوعہ لائل پور ، ص ۲۴۴)

۵

انگریزوں کی تقلید اور فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت نیچریت سے نجات ، بہت دل خوش کن کلمات ہیں ـــــــ خدا ایسا ہی کرے ! ـــــــ مگر یہ صرف ترک امداد والحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے ، اُس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں

(امام احمد رضا ، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ ، مطبوعہ لاہور ، ص ۹۳)

۶

ترکِ موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی ، مجھے فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی ـــــــ ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ وہ سرکار برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ـــــــ

دراصل ہر دور میں کسی کو بدنام کرنے کے لئے کوئی چلتا ہوا اصطلاحی لفظ

اختیار کر لیا جاتا ہے جس کے تماشے میں اپنی زندگی میں بہت دیکھ چکا ہوں۔
(اشتراکیت تحریک ترک موالات، محمد جعفر شاہ پھلواری، بحوالہ محبان رضا مرتبہ
محمد مرید احمد چشتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ۱۳۵) ۔

(۷)

سیاسی نظریے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بلاشبہ
حریت پسند تھے، انگریزی اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔
"شمس العلماء" قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا اُن کو یا اُن کے
صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں، مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور
بھی نہ ہوا۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی قطعاً راہ و رسم
نہ تھی۔

{معاصر امام احمد رضا، سید الطاف علی بریلوی، سیکرٹری جنرل آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس
کراچی بحوالہ اخبار جنگ (کراچی)، شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۶، ک ۴، ۵،}

(۸)

لعنۃ اللہ علی الکذبین جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ
جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں
کی لعنت ہو ——— !

(امام احمد رضا، بحوالہ، ماہنامہ السواد الاعظم (مراد آباد) شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ/
۱۹۲۰ء، ص ۳۰)
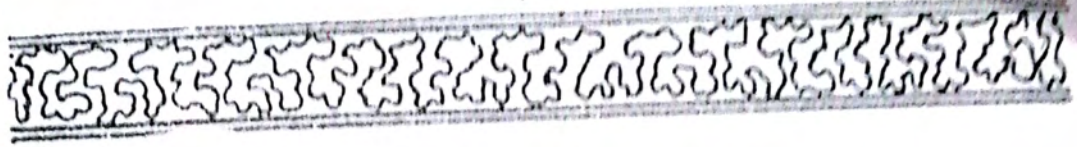
گناہِ بے گناہی

بلوحِ تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقبول را جُز بے گناہی نیست تقصیرے

جب کسی قوم سے محبت ہوتی ہے، اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے ـــــ
اس کے مذہب سے محبت، اس کی معاشرت سے محبت، اس کی حکومت سے محبت
اس کی عدالت سے محبت، اس کی تعلیم سے محبت، اس کے نظام تعلیم سے محبت،
اس کی تہذیب و تمدن سے محبت، اس کے افکار و خیالات سے محبت، اس کے
پروردوں سے محبت، اس کے مقلدوں سے محبت، اس کے مددگاروں سے محبت،
اس کے چاہنے والوں سے محبت، اس کی شکل و صورت سے محبت ـــــ

کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا انگریز کو چاہتے تھے، اس سے محبت کرتے
تھے، اس کے اشاروں پر چلتے تھے ـــــ مگر شواہد کو کھنگالا گیا اور حقائق کا
مشاہدہ کیا گیا تو اس چاہت اور محبت کا دُور دُور پتا نہ ملا ـــــ ہاں جس
نے الزام لگایا اس کا دامن داغدار نظر آیا اور جس پر الزام لگایا وہ بے داغ نظر آیا
ـــــ یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے! ـــــ
ہر پہلو سے دیکھا انگریزوں کے ساتھ دوستی و محبت کی جھلک تک نظر نہ آئی ـــــ
ـــــ آئیے حقائق کے چہروں سے پردہ اٹھائیں، آپ بھی دیکھیں اور ہم بھی دیکھیں،
ـــــ اُن شکوک و شبہات کا ازالہ کریں جو عرصۂ دراز سے دل و دماغ میں پرورش
پاکر راسخ ہو چکے اور بدظنی و بدگمانی کے ان تاریک غاروں میں لے گئے جہاں ہماری
آنکھوں سے بصارت گم ہو گئی اور ہمارے دلوں سے بصیرت ـــــ

(۱) معاشرت و مذہب

معاشرتی لحاظ سے نصاریٰ کی عورتوں سے شادی بیاہ اور ان کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال قرار دیا گیا ہے ——— ایسی صورت میں ایک ایسے عالم سے جو انگریز دل کا دل سے خیر خواہ ہو یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے اس حکم کو انگریزوں کے لئے ضرور جائز قرار دیتا لیکن شواہد سے جو حقیقت ثابت ہو رہی ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

امام احمد رضا کے عہد شباب میں جب کہ آپ کی عمر ۲۴ سال کی ہوگی ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں بدایوں کے ایک مستفتی مرزا علی بیگ نے ایک استفتاء پیش کیا جس میں مندرجہ ذیل تین سوالات ہیں۔

۱۔ پہلا سوال ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے سے متعلق ہے۔[۱]

۲۔ دوسرا سوال یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے کہ وہ کتابی ہیں یا مشرک۔[۲]

۳۔ تیسرا سوال روافض و متبدعین کے بارے میں ہے کہ وہ مرتد ہیں یا نہیں۔[۳]

پہلے سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے کیونکہ دارالحرب وہ ہے جہاں شریعت اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور ہندوستان میں یہ صورت نہیں اس لئے یہ دارالاسلام ہے ——— یہ فتویٰ خالصۃً فقہی ہے سیاسی

---

[۱] احمد رضا: اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام، مطبوعہ بریلی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء ص ۲-۹

[۲] ایضاً، ص ۹-۱۵

[۳] ایضاً، ص ۱۵-۲۳

نہیں کیونکہ اس جواب میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ادنیٰ گمان ہو سکے کہ یہ انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے لکھا ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب دوسرے لوگ بھی انگریزوں کے دل سے وفادار تھے جو بعد میں اس کے مقابل آئے[1]۔ ہمارے اس خیال کی توثیق دوسرے سوال کے جواب سے ہوتی ہے جو آگے آتا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں بعض علماء و امراء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر یہ چاہتے تھے کہ سود کے جواز کی صورت نکل آئے کیونکہ دارالحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہے۔ جواب میں امام احمد رضا نے ایسے لوگوں کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ دارالحرب قرار دے کر سود لینے کو تو تیار ہیں مگر ہجرت کو تیار نہیں جو بصورت دارالحرب واجب ہے۔ گویا جواب کا اصل محرک سود کے عدم جواز کے لئے شرعی بنیاد فراہم کرنا ہے نہ کہ کسی کو خوش کرنا۔ مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس مسئلے میں امام احمد رضا کے ہم نوا تھے[2]۔

---

[1] سر آلفرڈ لائل نے لکھا ہے کہ تمام سیاسی یا غیر سیاسی جماعتوں کے لوگ،
وہ تاج برطانیہ کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری رکھنے میں متحد القلوب ہیں۔"
(آلفرڈ لائل: ہندی مملکت کا عروج و زوال، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء) ص: ۶۶۹

[2] اشرف علی تھانوی: تحذیر الاخوان عن الربوٰی الہندوستان، مطبوعہ تھانہ بھون (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء)

نوٹ: مولانا محمد قاسم نانوتوی غیر منقسم ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے میں متذبذب نظر آتے ہیں۔"
(مکتوب قاسم العلوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء) ص ۳۶۴)

مولانا نذیر حسین نے ہندوستان کو دارالامان قرار دیا ہے۔"

... (فضل حسین بہاری، الحیات بعد الممات، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۴)

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلی نے ایک فتویٰ میں فرمایا ہے کہ بلاد ہند دارالحرب نہیں۔
(عبدالحئی: مجموعہ فتاویٰ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء ج ۱ - ص ۳۰۲)

مولانا محمود حسن بھی ہندوستان کو ایک حیثیت سے دارالحرب قرار دیتے ہیں مگر دوسری حیثیت سے دارالاسلام (حسین احمد: سفرنامہ شیخ الہند، مطبوعہ لاہور، ص ۱۹۶) بقیہ ص ۲۱

دوسرے سوال کے جواب میں امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا وہ قابل توجہ ہے ۔ اس سے سارے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے ۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں :۔

نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ ——— بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبُنوّت ہیں ، اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے ۔[۱]

اس کے بعد لکھتے ہیں :

مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر جن یہود ونصاریٰ کے احکام کو احکام مشرکین سے جُدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء وذبائح کو حلال ومباح ٹھہرایا ۔ آیا نصاریٰ زمانہ بھی کہ الوہیت عبداللہ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ ، الوہیت بندۂ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں ، انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاً بھی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کے نساء سے تزوّج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا ؟[۲]

یہ سوال اٹھانے کے بعد امام احمد رضا نے علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ بعض نے ایسے نصاریٰ ویہود کو کتابیوں میں شامل کیا ہے اور ان پر احکام مشرکین کے اجراء سے منع کیا ہے اور بعض نے ان کو مشرکین میں شمار کیا ہے اور ان پر احکام مشرکین جاری کئے ہیں ——— اگر امام احمد رضا انگریزوں کے ذرہ برابر بھی خیر خواہ ہوتے تو وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) امام احمد رضا کے فتاویٰ میں تذبذب کا عالم نظر نہیں آتا ، بقول ڈاکٹر محمد اقبال وہ جو کچھ کہتے ہیں نہایت غور وخوض کے بعد کہتے ہیں ——— بالکل واضح حتمی اور قطعی فیصلہ دیتے ہیں ۔ مسعود

[۱] احمد رضا : اعلام الاعلام ، ص ۹

[۲] ایضاً ، ص ۱۰-۹

یقیناً اختلاف علماء سے فائدہ اٹھاتے انگریزوں کو کتابیوں میں شامل کرتے اور ان پر احکام مشرکین جاری نہ کرتے لیکن نہیں انہوں نے حد درجہ تقوے و احتیاط سے کام لیتے ہوئے اُس وقت اپنا یہ فیصلہ صادر فرمایا جب کہ انگریزوں کے خلاف رائے دینا سخت خطرناک تھا ــــ انہوں نے احکام شرع کے اجراء و نفاذ میں کبھی اپنے اور بیگانے کی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ شریعت ہی کا پاس و لحاظ رکھا اور یہی ایک حق گو مفتی کا طرۂ امتیاز ہے ــــ امام احمد رضا نے انگریزوں کے بارے میں اپنا یہ فیصلہ صادر فرمایا :۔

تاہم جب علماء کا اختلاف ہے اور اس قول پر فتوے بھی منقول ہو چکا تو احتیاط اسی میں ہے کہ نصاریٰ کے نساء و ذبائح سے احتراز کرے اور اگر آجکل بعض یہود بھی ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن و ذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں کہ ایسی جگہ میں اختلاف ائمہ میں پڑنا محتاط آدمی کا کام نہیں۔ اگر فی الواقع یہود و نصاریٰ کتابی ہی ہوئے تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول میں ہمارے لئے کوئی نفع نہیں، نہ شرعاً ہم پر لازم کیا گیا، نہ بحمداللہ ہمیں اس کی ضرورت۔ بلکہ برتقدیر کتابیت بھی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بے ضرورت احتراز چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر انہیں علماء کا مذہب حق ہوا اور یہ لوگ بوجہ اپنے اعتقادوں کے عنداللہ مشرک ٹھہرے تو پھر نکاح زنائے محض ہوگا اور ذبیحہ حرام مطلق والعیاذ باللہ ! تو عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود ہو اور دوسری جانب حرام قطعی[1] ــــــــــ

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ابتداء ہی سے یہودیوں اور

---

[1] احمد رضا خان : اعلام الاعلام ، ص ۱۳

عیسائیوں سے ترک موالات کے قائل تھے اور اس معاملے میں جذباتیت سے زیادہ حقیقت پسندانہ نظریہ رکھتے تھے۔ اختلاف تھا تو یہ اور اصرار تھا تو یہ کہ اس مقصد کو حاصل کرنے لئے حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جاتے اور اس کے نتیجے میں مشرکین ہند سے دوستی نہ کی جائے ــــــــ

امام احمد رضا نے عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے افکار و خیالات ــــ ــــ میں مداخلت اور قرآن و حدیث پر اعتراضات کو کبھی برداشت نہیں کیا بلکہ بروقت اس کا تعاقب کیا چنانچہ ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ زچہ کے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ لڑکی ہے یا لڑکا، حالاں کہ ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے یہ راز سربستہ معلوم ہو جاتا ہے ــــ پادری مذکور کا یہ اعتراض ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں قاضی عبدالوحید نے ایک استفتاء کی صورت میں پٹنہ سے ارسال کیا اور جواب کے لئے تعجیل کی درخواست کی۔ پادری کی باتوں سے ایک مسلمان کے ایمان میں تشکک و شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے ــــ امام احمد رضا نے اس استفتاء کے جواب میں مندرجہ ذیل عنوان سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا :-

الصَّمْصَام علیٰ مُشَکِّکٍ فی اٰیۃِ عُلُومِ الاَرْحَام

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے مسئلے کے ہر پہلو پر بڑی شافی بحث فرمائی ہے اور قاہرانہ دلائل پیش کئے ہیں اور آخر میں عیسائیوں کے بے سروپا عقائد پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

سبحٰن اللہ! ــــ اللہ کہاں، ربّ السمٰوات والارض ــــ عالم الغیب والشہادہ ــــ سبحنہٗ وتعالیٰ ــــ اور کہاں ــــ کوئی بے تمیز، لونگا، ہیولی، ہبنقہ، ناپاک، ناشائستہ، کھڑے

ہو کر موتنے والا ع

ببیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی؟

خدارا انصاف ـــــ وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جہنم کے کُندے، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں ـــــ ایک خدا کے تین مانیں ـــــ پھر ان تین کو ایک ہی جانیں ـــــ بے مثل، بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں ـــــ اس کی پاک بندی ـــــ ستھری، کنواری، پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں ـــــ پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہو، اسے دوسرے کا گائیں ـــــ خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر، اُدھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، اِدھر آپ اس کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے، روٹی کو اس کا گوشت بنا کر، دَر دَر چبائیں ـــــ شراب ناپاک کو، اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں ـــــ دنیا یوں گزری ـــــ اُدھر موت کے بعد کفارے کو اُسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں ـــــ لعنتی کہیں ملعون بنائیں ـــــ اے سبحان اللہ! ـــــــــــــــ

اچھا خُدا، جسے سولی دی جائے ـــــ عجب خُدا، جسے دوزخ جلائے ـــــ طرفہ خُدا، جس پر لعنت آئے، جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے ـــــ اے سبحان اللہ!

ـــــ باپ کی خُدائی اور بیٹے کی سولی ـــــ باپ خُدا، بیٹا کس کھیت کی مولی؟ ـــــ باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ ـــــ سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ ـــــ امتی، ناجی ـــــ رسول، ملعون ـــــ معبود پر لعنت،

بندے مامون، ــــ تف تف! ــــــ وہ بندے جو اپنے
ہی خدا کا خون چکھیں ــــــ اس کے گوشت پر دانت رکھیں
ــــــ اُف اُف! ــــــ وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وُہ
الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں ــــ سخت، فحش،
بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں ــــــ زہ زہ بندگی!
ــــــ خہ خہ تعظیم! ــــــ پہ پہ تہذیب! ــــــ
تہ تہ تعلیم! ــــــ [1]

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :-

اللہ اللہ! ــــــ یہ قوم ــــــ یہ قوم! ــــ سراسر لوم
ــــــ یہ لوگ ــــــ یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ ــــ جنہیں
جنوں کا روگ ــــــ یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں
اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں؟
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون! [2]

جس سے محبت ہوتی ہے اُس کا اِس طرح ذکر نہیں کیا جاتا ــــ اُس پر اِس طرح
نہیں برسا جاتا ــــــ اُس کے عقائد و افکار کی اس طرح دھجیاں نہیں اڑائی جاتیں
ــــــ اُس پر اِس طرح ملامت و نفریں نہیں کی جاتی ــــــ!

۱؎ احمد رضا: الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام، مطبوعہ لاہور ص ۱۹ - ۲۱

نوٹ [2]: جو حضرات ادب کی گہرائیوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلم میں یہ روانی اور فکر کی یہ جولانی برسوں ریاض کے بعد پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر ــــــ
امام احمد رضا یہاں مفتی سے زیادہ قادر الکلام ادیب معلوم ہوتے ہیں، مفتیوں میں قادر الکلامی عنقا ہے۔

مسعود

قوم پرست مسلمان علماء اور دانشوروں کو کفار و مشرکین ہند سے تعلق خاطر تھا تو انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنے مسلمان مخالفین کے مقابلے میں کفار و مشرکین کا ذکر عزت و احترام بلکہ عقیدت سے کیا ہے، "تاریخ و سیاست ہند" پر ان کی تصانیف میں ایسے بہت سے نظائر مل جائیں گے مگر امام احمد رضا نے اپنی کسی تصنیف میں کسی غیر مسلم کا ذکر عزت و احترام سے نہیں کیا۔

امام احمد رضا شریعت اسلامیہ کے خلاف انگریز تو انگریز، انگریزی حکومت کی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ مسجد کانپور کا واقعہ اس حقیقت پر گواہ ہے۔

۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ مسجد کے پاس سے سڑک نکالتے وقت جب حکومت نے سڑک میں دبا لیا تو اس پر مسلمانوں کی طرف سے سخت احتجاج ہوا حتیٰ کہ گولی چلی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے آخر کار ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے، لفٹیننٹ گورنر سے ملا ——— اور پھر ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی، جن میں ایک شرط یہ تھی :-

> چونکہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہ رو اس پر سے گزر سکیں۔[1]

اس معاہدے کے سلسلے میں جب مولوی محمد سلامت اللہ صاحب (نائب منصرم مجلس موید الاسلام) نے ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء کو فرنگی محل (لکھنؤ) سے ایک استفتاء بھیجا ——— امام احمد رضا کی طرف سے جواب استفتاء میں چند امور کی وضاحت طلب کی گئی تاکہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے، تحقیق و تفتیش کے بعد فتویٰ صادر کیا گیا، اس میں

---

[1] سر رضا علی، اعمال نامہ مطبوعہ دہلی، ص ۳۲۵

نہ انگریزی حکومت کی رعایت کی اور نہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی۔ امام احمد رضا انگریز کو تو خاطر میں نہ لاتے تھے البتہ دوست کا پاس خاطر ضروری تھا مگر اس کی پرواہ کئے بغیر فیصلہ نافذ فرمایا ـــــ خود تحریر فرماتے ہیں :-

میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے، مگر افسوس کہ جتنا خوض و تفتیش سے کام لیا، اسکی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا۔ عالم مذکور (عبدالباری) سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام و رفع غلط فہمی عوام پر بحمداللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے۔ [1]

چوں کہ یہ شرط "مسئلہ اسلامی" "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں" کے خلاف تھی اس لیے امام احمد رضا نے نہ انگریز لفٹیننٹ گورنر کی پرواہ کی اور نہ وائسرائے ہند کی ـــــ اور نہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی۔

(۲) عدالت و حکومت

امام احمد رضا انگریزی عدالتوں سے سخت متوحش تھے، وہ انگریزی عدالتوں میں چارہ جوئی کو اسلامی اور معاشی نقطۂ نظر سے مہلک تصور کرتے تھے۔ چناں چہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے مسلمانوں کے اصلاح حال کے لیے چند تدابیر پیش کی تھیں، ان میں پہلی تدبیر و تجویز کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

---

[1] احمد رضا: ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری (۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء) مطبوعہ بریلی ص: ۸

نوٹ: ابانۃ المتواری کی اشاعت اول کا ایک نسخہ مولانا اکبر حسین درس (کراچی) سے راقم کو ملا۔ اس میں مولانا محمد علی کی تذییل بعنوان قامع الواہیات من جامع الجزئیات بھی شامل ہے۔ یہ مجموعہ ۱۳۳۱ھ میں مطبع اہل سنت وجماعت بریلی میں چھپا۔ مسعود

اولاً باستثناء ان معدودے باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔ [1]

پھر آگے چل کر مسلمانوں کی غفلت و بے خبری کا ذکر کرتے ہوئے اس تجویز پر عمل کا حال لکھتے ہیں:

اول پہ یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلے میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی نہ ہو تو منظور نہیں اور کچہری جاکر، اگر گھر کی بھی جاتے، ٹھنڈے دل سے پسند ــــ گرہ گرہ زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں ــــ کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں؟ فہل انتم منتہون ؟ [2]

امام احمد رضا نے یہ تجویز پیش کر کے ایک طرف مسلمانوں کو انگریزی عدالتوں میں جانے سے روکا ہے اور دوسری طرف انگریزوں سے ترک موالات کی ایک دائمی صورت بتائی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع ہی نفع ہے اور نقصان کچھ نہیں ــــ امام احمد رضا جذباتی ترک موالات کے قائل نہ تھے جس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے، فائدہ کم ــــ

امام احمد رضا انگریزوں کی عدالتوں میں چارہ جوئی کو نہ صرف معاشی طور پر برا جانتے تھے بلکہ حمیت و غیرت اسلام کے منافی سمجھتے تھے کہ جس قوم میں فیصلے کیلئے قرآن و حدیث کو حَکَم بنادیا گیا وہ خدا و رسول کے دشمنوں کی عدالت سے رجوع کرکے اسلام کو یوں رسوا کرے ــــ! چنانچہ جب اذانِ ثانی کے مسئلے پر ان کے ہم عقیدہ اور کرمفرما علماء کے متبعین نے امام احمد رضا کے خلاف چارہ جوئی کا فیصلہ

---

[1] احمد رضا: تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء) مطبوعہ لاہور، ص ۵

[2] ایضاً، ص ۷

کیا اور اس کی خبر ان کو ہوئی تو انہوں نے اپنے خلیفۂ مجاز مولانا عبد السلام جبل پوری کو درد و کرب کے ساتھ اس کی اطلاع دی اور لکھا:۔

مخالفین عاجز آکر وہابیہ کی روش چلا چاہتے ہیں۔ نصاریٰ کے یہاں نالش دائر
_____ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل! _____ دعا فرمائیں کہ مولیٰ سبحانہ
ان کو اس ارادۂ ملعونہ اور دیگر ارادات فاسدۂ ایذا رسانی: آبرو ریزی سے
جن پر ان کے یہاں جلسہ ہو کر اجماع ہو گیا ہے۔ باز رکھے۔ آمین! [۱]

اور جب مخالفین نے انگریزی عدالت میں دعوے دائر کر دیا اور امام احمد رضا کے نام عدالت سے سمن جاری ہوا تو جو کچھ ہوا وہ ایک عینی شاہد سید الطاف علی بریلوی[۲] کی زبانی سنیئے:۔

"اس طرح حضرت کا عہد تھا کہ وہ کبھی انگریز کی عدالت میں نہ جائیں گے _____ اس کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ جو میرے مشاہدے میں آیا علمائے بدایوں سے نماز جمعہ کی اذان ثانی "نزد منبر یا صحن مسجد" کے مسئلے پر اختلاف تھا جس بنا پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ اہل بدایوں مدعی تھے اور انہوں نے اپنے ہی شہر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا تھا۔ مولانا صاحب کے نام عدالت سے سمن آیا، اس پر حاضر نہ ہوئے تو احتمال گرفتاری کی بنا پر ہزاروں ہزار عقیدت کیش مولانا صاحب کے دولت کدے پر جمع

۱؎ محمد برہان الحق جبل پوری: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۰

۲؎ سید الطاف علی بریلوی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور رسالہ "العلم" (کراچی) کے مدیر ہیں: ابھی بقید حیات ہیں۔ کراچی میں رہتے ہیں، موصوف نے امام احمد رضا کا زمانہ پایا اور ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ خود تو مسلکاً بریلوی نہیں ہیں۔ البتہ ان کے ماموں سید ایوب علی رضوی امام احمد رضا سے بیعت تھے اور مسلسل ۲۲ سال تک ان کے پیش کار رہے۔ سید صاحب نے چند باتیں چشم دید بیان کی ہیں اور چند باتیں اپنے ماموں سے روایت کی ہیں۔ بہر حال تاریخی نقطۂ نظر سے ان کا بیان مستند اور قابل توجہ ہے۔ مسعود

ہو گئے، نہ صرف جمع ہوئے بلکہ آس پڑوس کی سڑکوں اور گلیوں میں باقاعدہ ڈیرے ڈال دیئے، رات دن اس عزم کے ساتھ چوکسی ہونے لگی کہ جب وہ سب جان قربان کر دیں گے تو قانون کے کارندے مولانا کو ہاتھ لگا سکیں گے[1]

اگر امام احمد رضا انگریزوں کے خیر خواہ ہوتے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی عدالت سے اس طرح نفرت کرتے اور یوں عزت و ناموس کو خطرے میں ڈالتے بلکہ بلاوا آتے ہی خوشی خوشی حاضر ہوتے ۔۔۔۔۔۔ سید الطاف علی بریلوی نے غالباً اسی قسم کے شواہد کی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے :۔

سیاسی نظریئے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے ، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی ۔ شمس العلماء ، قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا اُن کو یا اُن کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں ، مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا ۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی قطعاً راہ و رسم نہ تھی "[2]

امام احمد رضا تو انگریزی عدالت سے نفرت کرتے ہی تھے ، ان کے صاحبزادگان مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور مولانا حامد رضا خاں صاحب بھی نفرت کرتے تھے چنانچہ ایک مقدمے میں شہادت کے لیے مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں کو ایک ایسی عدالت میں بلایا گیا جو بریلی سے ۲۰۰ میل دُور واقع تھی ۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا اپنے خلیفہ مولانا محمد عبد السلام جبل پوری کو لکھتے ہیں :۔

معاملہ ممبری میں بحمد اللہ میرا نام تو نہیں تھا مگر مصطفےٰ رضا کا نام شہود میں لکھوایا ہے ۔ وہ بحمد اللہ کچہری سے گھبراتا ہے ۔ کل اس نے ایک طویل مضمون مجھے

---

[1] روزنامہ جنگ (کراچی) ، شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء ، ص ۶ ، ک ۵ ، ۶

[2] ایضاً ، ، ، ک ۴ ، ۵

لکھ کر دیا ہے کہ قانوناً ۲۰۰ میل کے فاصلے سے حاضر ہونا نہیں پڑتا۔ [۱]

اسی طرح مولانا حامد رضا خاں نے اپنے خطبۂ صدارت (مراد آباد ۱۹۲۵ء) میں مقدمہ بازیوں پر سخت تنقید کی ہے اور فرمایا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کا مال دشمنوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے جو اسلام کے خلاف استعمال کرتے ہیں :۔

روزانہ کچہریوں میں سود کی ڈگریاں اور قرقیاں نکلتی رہتی ہیں اور مسلمانوں کے مال دشمنوں کے قبضے میں پہنچ کر اسلام کی مخالفت اور بیخ کنی میں صرف ہوتے ہیں۔ [۲]

امام احمد رضا انگریزی عدالت ہی سے نہیں انگریزی حکومت سے بھی نفرت کرتے تھے، وہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانے میں گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد دینے کے خلاف تھے حالاں کہ خود ترک موالات کے بعض لیڈروں نے چند سال قبل ترکوں کے مقابلے میں انگریزوں کی حمایت میں مسلمان فوجی بھیجے۔ تحریک ترک موالات کے سرگرم رہنما مولانا معین الدین اجمیری باوجود امام احمد رضا کی مخالفت کے یہ اعتراف کرتے ہیں :

ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی اور مولانا احمد رضا خاں) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔ [۳]

امام احمد رضا کو نہ صرف انگریزی حکومت بلکہ انگریزی بادشاہوں سے بھی نفرت تھی چنانچہ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ لفافے پر ٹکٹ بھی الٹا لگایا کرتے تھے، سید

---

[۱] محمد برہان الحق جبل پوری : اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء ص ۱۰۱

[۲] حامد رضا خاں : خطبۂ صدارت، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۲۵ء، ص ۴۱

[۳] معین الدین اجمیری : کلمۃ الحق مطبوعہ دہلی ۱۹۲۱ء، بحوالہ
رئیس احمد جعفری : اوراق گم گشتہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۵۲۶

الطاف علی بریلوی لکھتے ہیں :-

بقول سید الحاج ایوب علی رضوی مرحوم (جن کو ۴۲ سال تک پیش کار رہنے کا اوپر ذکر آچکا ہے) حضرت مولانا ڈاک کے ٹکٹ لفافے پر ہمیشہ الٹا لگاتے تھے یعنی ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کے سر نیچے۔ [1]

یہ اہتمام نہ صرف لفافوں بلکہ بعض اوقات پوسٹ کارڈ پر بھی ملکہ اور بادشاہ کا سر نیچے کی طرف رکھ کر اوپر پتہ لکھتے تھے۔ حسن اتفاق سے مقالہ کی تبییض کے دوران علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) کے پروفیسر ابرار حسین صاحب کا خط آیا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں :-

کل ایک طالب علم نے اعلیٰ حضرت کے خط کا عکس بھیجا ہے، اعلیٰ حضرت کے پتے تحریر کرنے کا انداز بڑا دلچسپ ہے اور سیاسی نظریات کی ترجمانی کرتا ہے، پتہ تحریر کرتے ہوئے آپ نے ملکہ کا سر نیچے رکھا ہے، یعنی اُلٹی طرف سے شروع کیا ہے۔ [2]

مکتوب مذکور کے چند روز بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری (صدر مرکزی مجلس رضا لاہور) کا عنایت نامہ موصول ہوا جس میں اس خط کا عکس رکھا ہوا تھا ــــ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا جاری کردہ ایک پیسہ والا پوسٹ کارڈ ہے جس پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر بنی ہے، یہ کارڈ یوم العرفہ ۱۳۱۳ھ / (۲۲ مئی ۱۸۹۶ء) کو مدرسہ طیبہ، احمد آباد (بھارت) کے مدرس، صاحب السیف المسلول مولانا نذیر احمد رام پوری (م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کے نام ارسال فرمایا جو ۲۷ مئی ۱۸۹۶ء کو احمد آباد پہنچا۔

امام احمد رضا کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لفافے پر زیادہ ٹکٹ لگا کر انگریزی حکومت کو معمولی نفع بھی پہنچایا جائے۔ اس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے :-

---

[1] اخبار جنگ (کراچی)، شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۶، ک ۵

[2] مکتوب پروفیسر ابرار حسین، شعبہ سائنس، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۸۰ء

یہ مکتوب جناب صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ ابن مولانا عبدالقادر شہید، جامعہ قادریہ فیصل آباد نے عنایت فرمایا ہے اور عکس برادرم غلام یٰسین منہاس نے تیار کرایا۔ ہم دونوں حضرات کے شکر گزار ہیں۔

میرٹھ کے ایک دین دار بہت بڑے رئیس حاجی علاؤالدین صاحب ایک مسئلہ کے استفسار کے سلسلے میں مولوی محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس) کے ہمراہ امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے ——

حضرت نے دریافت فرمایا کہ "آپ کے خطوط آتے ہیں، ان میں ٹکٹ زیادہ لگے ہوتے ہیں، حالاں کہ ۰ر میں لفافہ آتا ہے" —— حاجی صاحب نے فرمایا کہ، حضور ۰ر کے ٹکٹ تو عام لوگوں کے خطوط میں لگائے جاتے ہیں" —— فرمایا کہ، "بلا وجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیا؟" ——

حاجی صاحب نے تسلیم کیا اور چھوڑنے کا وعدہ کیا۔ [1]

ایسے سکے اور ٹکٹ جن پر تصویریں بنی ہوں شرعاً ان کا رکھنا جائز ہے کہ ضروریاتِ زندگی میں ایک اہم ضرورت ہے لیکن امام احمد رضا نے اس معاملے میں رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل کیا چناں چہ روز وصال ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو وصال سے دو گھنٹے ۱۷ منٹ قبل جو وصیت نامہ لکھوایا اس میں پہلے نمبر پر یہ وصیت ہے:

(۱) شروع نزع کے قریب کارڈ، لفافے، روپیہ، پیسہ کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔ [2]

ظاہر ہے کارڈ لفافوں اور روپیہ پیسے پر ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم ہی کی تصاویر تھیں مگر یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ جس وقت وہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوں تو ان کے آس پاس کسی انگریز بادشاہ کی تصویر ڈاک کے ٹکٹوں اور سکوں کی صورت میں بھی موجود ہو —— وصایا نگار مولانا حسنین رضا خاں [3] —— لکھتے ہیں:-

جب ۲ بجنے میں ۴ منٹ باقی تھے، وقت پوچھا —— عرض کیا

---

[1] ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت (۱۹۳۸ء) جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۱
[2] حسنین رضا خاں، وصایا شریف، مطبوعہ لاہور، ص ۸
[3] وفات ۵ر صفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۱ء روز یکشنبہ (ادارہ)

گیا ـــــ فرمایا، "گھڑی کھلی سامنے رکھ دو" ـــــ

یکایک ارشاد فرمایا، "تصاویر ہٹادو" ـــــ یہاں تصاویر کا

کیا کام! ـــــ یہ خطرہ گذرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا، ـ

یہی کارڈ، لفافے، روپیہ، پیسے [1]

اللہ اکبر! وصیت نامہ لکھوایا اور ایک ایک بات پر عمل کرایا ـــــ نزع کے وقت ہوش گم ہوجاتے ہیں مگر اس کے محبوب اس اطمینان و سکون سے جاتے ہیں کہ جانا معلوم ہی نہیں ہوتا ہے

قدسیوں کو رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں

امام احمد رضا کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں کو بھی انگریزی حکومت سے

---

[1] حسنین رضا خاں: وصایا شریف، ص ۸

(نوٹ) امام احمد رضا کی تقویٰ شعاری کا یہ عالم ہے اور ان کے مقابلے میں مولانا محمد علی جوہر جن کو انگریزوں کا سخت مخالف کہا جاتا ہے تصویروں سے بہت پیار رکھتے تھے، اُس وقت بھی جب وہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے، قول وعمل کا یہ تضاد سخت حیران کن ہے ـــــ مولانا کے دوست، مولانا عبدالماجد دریاآبادی رازِ درون خانہ بلشت از بام کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ مولانا محمد علی جوہر تصویروں کے بڑے شائق تھے، سب کمروں میں تصویریں لگا رکھی تھیں اور ڈرائنگ روم پورا نگار خانہ ہی تھا۔ یہاں تک کہ انگریزی مذاق کے ماتحت بعض تصویریں نیم عریاں بھی ـــــ دوست احباب منع کرتے، کسی کی نہ سنتے۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانہ میں اندرون خانہ یہ نگار خانہ موجود تھا۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں یہ سب تصویریں اتار دیں۔ (ملخصاً)

(عبدالماجد، محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند ورق، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء، ص ۵۴، ۴۸/۴۳)

جو حضرات امام احمد رضا پر حرف گیری کرتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں امام احمد رضا کے اخلاص نیت اور تقویٰ شعاری کی قدر کریں۔ ان کا قول وعمل ہر قسم کے تضادات سے پاک تھا۔" مسعود

نفرت تھی چنانچہ اُنہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ انگریزی ملازمت ترک کر کے تجارت کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ان کی معیشت مستحکم ہو۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

برادرانِ ملت ! نوکری اور ملازمت کا خیال چھوڑ کر، تجارت پر ٹوٹ پڑو تو دیکھو تھوڑے عرصے میں تم کیا ہو ئے جاتے ہو۔ [۱]

جس ترک موالات کی انہوں نے تعلیم دی وہ جذباتی نہیں، ہوشمندانہ تھی ——— وہ اس کے قائل نہ تھے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر، ملازمت چھوڑ کر، ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھ رہا جائے بلکہ وہ اس کے قائل تھے کہ ملازمت چھوڑی جائے تو ایک جامع معاشی پروگرام کے تحت ——— یہ ترک موالات دانشمندانہ بھی ہے اور مومنانہ بھی۔

(۳) تعلیم و تہذیب

امام احمد رضا انگریزی اور انگریزی تعلیم کو ملت اسلامیہ کے لئے مذہبی نقطۂ نظر سے غیر مفید سمجھتے تھے اور انگریزی نظام تعلیم سے متنفر تھے۔ چنانچہ تحریک ترک موالات (۱۹۲۱ء) کے زمانے میں کفار و مشرکین ہند سے وداد و اتحاد کی، خلاف جو رسالہ تحریر فرمایا اس میں انگریزی نظام تعلیم پر بھی سخت تنقید کی ہے، لکھتے ہیں :-

انگریزی اور بے سود تضییعِ اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آں مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو۔ وہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے؟ [۲]

[۱] حامد رضا خاں : خطبہ صدارت، ص ۳۹

[۲] احمد رضا خاں : المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مشمولہ رسائل رضویہ، جلد دوم ۱۹۷۶ء، لاہور، ص ۹۳

یہ وہی رسالہ ہے جس کے لئے مخالفین کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انگریزوں کے ایماء پر لکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو انگریزی اور انگریزی تعلیم پر یوں تنقید نہ کی جاتی اور یہ تلخ کلمات نہ کہے جاتے۔ ان کلمات کی قدر و قیمت کا اسی کو اندازہ ہو سکتا ہے جس نے دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ گزشتہ ایک صدی میں انگریزی اور انگریزی تعلیم کے مثبت اور منفی اثرات کا تقابلی جائزہ لیا ہو ــــــ آج بھی ہم ان تنقیدات سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں ــــ ہمارا نصابِ تعلیم ہم کو نہ مسلمان بناتا ہے اور نہ سچا محبِّ وطن ــــ جو طالب علم صحیح معنوں میں مسلمان اور باعمل ہیں اس میں ان کے خاندانی ماحول کا دخل ہے نصاب کا نہیں ــــ اسلامی نقطۂ نظر سے ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ طلبہ یہ جانیں کہ

○ ــــ ہم کیا ہیں ــــ ؟

○ ــــ ہمارا دین کیا ہے ــــ ؟

انہیں دو سوالات کے جواب میں ہماری قومی تعمیر کا راز مضمر ہے ــــ

امام احمد رضا کی زندگی میں بریلی سے الرضا کے نام سے ایک ماہنامہ جاری ہوا جس کے مدیر امام احمد رضا کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں تھے، اس ماہنامے کے ایک شمارے میں بھی انگریزی تعلیم اور انگریزی نظام تعلیم پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

علیٰ ہذا انگریزی درسگاہیں، خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، کالج اور یونیورسٹیاں ہوں یا تحصیلی اور پرائمری مدارس و مکاتب مشرقی زبان کی درسگاہیں ہوں، خواہ مغربی زبان کی ــــ وہ جس مقصد کے لئے جاری کی گئی ہیں اس کے سوا دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہو سکتا ــــ

وہ مسلمان کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظت کرنے، اسلامی عادات و خصائل کو رواج دینے، دینداری کے خوگر اور عادی بنانے

کے کام میں نہیں آسکتیں ـــــ ان سے پڑھے ہوئے طلبہ، اسلامی عقائد، اسلامی محبت و مودّت، اسلامی اخوت و اتحاد، اسلامی طرزِ معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں ہو سکتے، غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کے لئے کوئی کارآمد چیز نہیں ہیں[1]

انگریزی نظام تعلیم کا کیسا دل لگتا تجزیہ کیا ہے! ـــــ آج جب کہ انگریزی نظام تعلیم کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، اس تنقیدی جائزے کی ایک ایک بات دل میں اترتی جاتی ہے ـــــ یہ تنقید کوئی ایسا ماہنامہ نہیں کر سکتا جس کا سرپرست انگریزوں کا خیر خواہ ہو۔

نہ صرف انگریزی نظام تعلیم بلکہ انگریزی تہذیب و تمدن سے بھی امام احمد رضا کو دلی نفرت تھی چنانچہ فتاوٰی رضویہ میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں :-

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب بحرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار، مستحق عذاب ـــــ والعیاذ باللہ العزیز الغفار ـــــ [2]

یہی وجہ ہے کہ جب ندوۃ العلماء کے اجلاس میں انگریزی وضع قطع کے لوگ شریک ہوئے تو امام احمد رضا نے طنزاً یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

وَاِنْ تَبْغُوْا مِنَ التَّقْوٰی لِبَاسًا
فَھٰذَا اکُوْٹٌ وَّ پِطْلُوْنٌ جَدِیْدٌ[3]

ترجمہ: اگر تمہیں پرہیزگاری کا لباس درکار ہو تو یہ نئے نئے کوٹ پتلون ہیں۔

امام احمد رضا کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اپنے خطبۂ صدارت (مراد آباد ۱۹۲۵ء) میں انگریزی تہذیب و تمدن پر جو بے لاگ تنقید کی ہے وہ بھی قابلِ

---

[1] الرضا (بریلی)، شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء، ص ۵

[2] احمد رضا: العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، جلد سوئم، مطبوعہ لائل پور، ص ۲۴۴

[3] احمد رضا، آمال الابرار و آلام الاشرار، ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء، مطبوعہ تعلیم آباد، ص ۲۰

مطالعہ اور لائق توجہ ہے ـــــــ آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ مراد آباد (۲۰ تا ۲۳ شعبان ۱۳۴۳ھ/ مطابق ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء) کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا :-

ہمارے ملک کے بعض وہ اصحاب جنہیں علوم سے بہرہ نہ تھا اور دل میں مسلمانوں کی رہنمائی کا شوق رکھتے تھے، نصاریٰ سے ان کے تعلقات گہرے تھے، جب انہوں نے مسلمانوں کے تمدن کی طرف نظر کی تو اپنے پاس وہ اسلامی تعلیم کا کوئی سرمایہ نہ رکھتے تھے، نہ علماء سے صحبت واستفادہ کا موقع انہیں حاصل ہوا تھا، نصرانیوں کی صحبت میں زندگی گزاری تھی، ان کی خو بو طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی، مسلمانوں کو اسی سانچے میں ڈھالنے اور نصاریٰ کے تمدن میں رنگنے کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ جو نوجوان ان کے ہاتھ آئے، ان کی زندگی کا طرز انہوں نے نصاریٰ کے مطابق کرایا ـــ مسلمانوں کو نصرانی تمدن کیا فائدہ دیتا ـــــــ تباہی و بربادی کی رفتار روز افزوں ترقی کرنے لگی اور ان نئے پیشواؤں نے اسکو محسوس بھی کر لیا مگر دین سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس طریق زندگی میں تبدیلی کرنے سے تو مجبور تھے بناچار اپنے سکھائے ہوئے تمدن کو مفید بنانے کے لیے انہوں نے اسلام سے مخالفت شروع کر دی اور مسلمانوں سے اسلامی عادات چھوڑانے اور نصاریٰ کے رنگ میں رنگنے کے درپے ہو گئے اور ایک حد تک مسلمانوں پر یہ زہریلا اثر ہوا۔[1]

مولانا حامد رضا خاں نے پاک و ہند میں مسلمانوں کے اندر انگریزی تہذیب و تمدن کے اثرات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ حقیقت پسندانہ ہے۔ اس میں شک نہیں جو طبقہ

---

[1] حامد رضا خاں: خطبۂ صدارت، مطبوعہ مراد آباد، ۱۹۲۵ء

انگریزی تہذیب و تمدن سے مرعوب و متاثر ہوا اس طبقے نے اپنی تہذیب و تمدن سے نفرت کی اور نفرت سکھائی حتی کہ چہرے داڑھیوں سے محروم ہو گئے ـــــ اور بدن اسلامی لباس سے ـــــ سروں سے ٹوپیاں غائب ہو گئیں، عورتوں کے برقعے تو اترے ہی تھے، دوپٹے بھی اتر گئے ـــــ گھروں میں فرش و فروش عنقا ہو گئے اور جہاں کہیں صوفوں کے نیچے دیکھے گئے، پیروں تلے روندے گئے ـــــ کسی قوم کو اپنی تہذیب اس طرح خوشی خوشی روندتے نہ دیکھا ہو گا ـــــ کمرۂ ملاقات سے کتابیں نکال دی گئیں اور مجسمے سجائے گئے ـــــ جس بت خانے کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھایا تھا اب وہ گھر گھر دیکھے جانے لگے ـــــ دل و دماغ عربی و فارسی سے بیگانہ ہو کر ماضی سے کٹ گئے ـــــ افسوس نئے جہان کی تلاش میں اپنا جہاں کھو دیا ـــــ یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے ـــــ سب مطمئن رہے اور مطمئن ہیں ـــــ جب تک بیقرار نہ ہوں گے قرار نہیں ملے گا ـــــ جب تک بےچین نہ ہوں گے، چین نہیں ملیگا ـــــ!

(۴) فکر و خیال

امام احمد رضا کا فکر و خیال اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا تھا ـــــ وہ کسی انگریزی فکر کو خاطر میں نہ لاتے تھے ـــــ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عیسائی سائنس دانوں پر سخت تنقیدات کی ہیں اور اپنے دلائل سے ان کے افکار کا تعاقب کیا ہے حالاں کہ محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ جو کہتے، وہی امام احمد رضا کہتے ـــــ مگر نہیں انہوں نے دیمقراطیس پر تنقید کی آئزک نیوٹن پر تنقید کی، البرٹ آئن اسٹائن پر تنقید کی، البرٹ الیف ـ پورٹا پر تنقید کی اور اس کے مزعومات کو اپنے

دلائل قاہرہ سے باطل کیا اور واقعی وہ باطل ہی قرار پائے۔[1]

آئزک نیوٹن (م ۱۷۲۷ء) پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

نیوٹن نے لکھا ہے کہ اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اسکی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی![2]

پھر اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اہل انصاف دیکھیں سردار ہیأۃ جدیدہ نیوٹن نے کیسی صریح خارج از عقل بات کہی ہے۔[3]

اسی طرح امریکی سائنس داں البرٹ آئین اسٹائن (م ۱۹۵۶ء) کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ آئین اسٹائن، امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا ——— ایک اور معاصر امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ الیف۔ پورٹا پر تنقید کی ——— جب اس کی پیش گوئی بانکی پور (پٹنہ) کے انگریزی اخبار ایکسپرس میں شائع ہوئی تو مولانا ظفر الدین بہاری نے اس کا تراشہ ملاحظہ کے لئے بھیجا اور امام احمد رضا سے رائے طلب کی ——— آپ نے پروفیسر مذکور کے لئے تحریر فرمایا :

---

[1] سان فرانسسکو (امریکہ) کے ماہر نواقب ہیئت داں پروفیسر البرٹ الیف۔ پورٹا نے ۱۹۱۹ء میں پیش گوئی کی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیاروں کے آجانے سے کشش کے نتیجے میں دنیا میں قیامت صغریٰ برپا ہوگی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے انگریزی اخبار انڈین ایکسپریس (بانکی پور، بھارت) میں یہ خبر شائع ہوئی جس سے پاک و ہند میں تہلکہ مچ گیا۔ جب اس سلسلے میں امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا تو آپ نے اپنے علمی دلائل سے اسکو باطل قرار دیا اور اس کے خلاف ایک رسالہ معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء) تحریر فرمایا۔ نیویارک ٹائمز (امریکہ) کے ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ممالک میں ۱۷ دسمبر کو بڑی ہلچل مچی اور دنیا بھر کے ہیئت داں دور بینیں لیے مطالعہ سماوی میں مصروف رہے مگر بالآخر وہی ہوا جو امام احمد رضا نے فرمایا تھا۔ وہ دن خیر و عافیت سے گزرا اور کچھ نہ ہوا۔ بیشک "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ"۔ مسعود

[2] فوز مبین در رد حرکت زمین مشمولہ ماہنامہ الرضا (بریلی)، شمارہ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء، ص: ۳۹

[3] ایضاً

کس عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا، سراپا اغلاط سے مملوہے۔[1]

اس کے بعد امام احمد رضا نے پروفیسر موصوف کے جواب میں علم ہیئت پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں اس کی مزعومات کو باطل قرار دیا اور حقیقۃً وہ باطل ہی ہوگئیں۔

۵ مویدین، مقلدین ومحبین نصاریٰ

امام احمد رضا نے نہ صرف انگریزوں بلکہ ان کے خیر خواہوں، مقلدوں اور چاہنے والوں پر بھی تنقید کی ہے، اگر وہ خود انگریزوں کے اشارے پر چلتے تو کبھی ایسا نہ کرتے۔

مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے خیر خواہ، اور انگریز ان کے خیر خواہ، بقول علامہ اقبال، قادیانی تحریک کے بیرون ممالک میں پہلے مراکز ووکنگ (انگلستان) اور عاشق آباد (روس) میں قائم ہوتے۔ بہر کیف مرزا کے خلاف سب سے پہلے امام احمد رضا کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے قلم اٹھایا اور ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں کانپور سے موصولہ ایک استفتاء کے جواب میں قادیانیوں کے خلاف یہ رسالہ تصنیف فرمایا:

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

۱۳۱۵ھ

یہ رسالہ ماہنامہ تحفہ حنفیہ (پٹنہ) کے کئی شماروں میں مسلسل شائع ہوا پھر بریلی سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔[2]

---

[1] احمد رضا: مکتوب محررہ ۱۴ ربیع الاول/صفر ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء بنام مولانا ظفر الدین بہاری
[2] امام احمد رضا کے رسالے السوء والعقاب (اشاعت اول ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کے ساتھ مولانا حامد رضا خاں کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے قادیانیوں کے خلاف مستقل ایک ماہوار رسالہ جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے، اس کے لیے انہوں نے چندے کی اپیل کی ہے۔ یہ اپیل ۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۰ھ کو کی گئی۔ مسعود

۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں خود امام احمد رضا نے مولوی محمد عبد الغنی (امرتسر) کے استفتاء کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے :-

السُّوْءُ وَالعِقَابُ عَلَى المسیحِ الكَذَّاب

۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

اس کا پہلا اڈیشن (مطبوعہ بریلی ۱۳۲۰ھ) ہمارے سامنے ہے۔ اس رسالے میں امام احمد رضا نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر و مرتد قرار دیا اور ان تمام افراد کو بھی جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو نبی مانتے ہیں ____ امام احمد رضا کے بھائی مولانا محمد حسن رضا خاں کی ادارت میں قادیانیوں کے خلاف ایک رسالہ جاری ہوا جس کا عنوان ہے :-

قَهْرُ الدَّیّان علیٰ مُرتدٍّ بقادیان

۱۳۲۳ھ

ایک شمارے کا دوسرا ایڈیشن (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۵ء) جو سید ایوب علی رضوی کے زیر اہتمام شائع ہوا راقم کے سامنے ہے ____ الغرض قادیانیوں کے خلاف امام احمد رضا، ان کے برادر اور صاحبزادگان نے بہت کچھ لکھا اور جد و جہد کی[1] ____ پاکستان میں چلنے والی پہلی تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں امام احمد رضا کے معتقدین اور متوسلین آگے آگے رہے اور بہت سوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ۱۹۷۴ء میں چلنے والی دوسری تحریک ختم نبوت میں امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا محمد عبد العلیم صدیقی[2] کے صاحب زادے علامہ شاہ احمد نورانی اور دوسرے خلیفہ مولانا امجد علی اعظمی

---

[1] ایک رسالہ بعنوان "الرمح الدیانی علی رأس الوسواس الشیطانی" شائع کیا گیا۔ مولوی اشرف علی تھانوی کا بھی ایک رسالہ بعنوان "الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی (۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) محبوب پریس دہلی میں چھپا۔ مسعود

[2] مولانا محمد عبد العلیم صدیقی نے قادیانیوں کے خلاف ایک رسالہ لکھا جو انگریزی، عربی اور اردو میں شائع ہوا۔ اردو میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" عربی میں "المرآۃ" اور انگریزی میں "The Mirror" کے نام سے شائع ہوا۔ مسعود

کہ صاحبزادے علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری نے اہم خدمات انجام دیں۔ ۳۰ رجون ۱۹۷۴ء کو پاکستان قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں حزبِ اختلاف نے قرارداد پیش کی اور بالآخر منظور ہوئی ــــــــ ۱۳۱۵ھ میں مولانا حامد رضا خاں صاحب، ۱۳۲۰ھ میں امام احمد رضا خاں اور بہت سے علماء نے جو فتوے دیا تھا آخر کار پاکستان کی قومی اسمبلی نے اس کو نافذ کیا اور وہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آیا۔

امام احمد رضا نے انگریزوں کے مقلدوں اور ان کے چاہنے والوں اور ان سے مدد لینے والوں کے خلاف بھی سخت تنقیدات کی ہیں۔ چنانچہ سر سید احمد خاں نے انگریزی تہذیب و تمدن کی اشاعت و فروغ کے لیے جو کچھ کیا اور تحریک ترک موالات کے زمانے میں مسلمان قوم پرستوں نے کفار و مشرکین کی تقلید میں جو کچھ کیا اس کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

نصاریٰ کی یہ غلامی کہ پیر نیچر نے تھامی، لیڈر جس کے اب زبانی ستائی ہیں
اور دل سے پرانے حامی[1]، اس کے نتائج تشبہ وضع و تحقیر شرع،

---

[1] مثلاً مولانا محمد علی جوہر جو تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) میں انگریزوں کے مخالف تھے مگر اس سے پہلے اس کے حامی تھے چنانچہ پہلی جنگِ عظیم میں ترکوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی گئی جس کا خود مولانا نے اس طرح ذکر کیا ہے:-

"ہم نے چندہ، سو کروڑ روپے اور لاکھوں آدمی میدانِ جنگ بھیجے، اپنا ایمان بھی قربان کیا....

مسلمانوں نے مسلمان بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔" (اوراقِ گم گشتہ، مطبوعہ ۱۹۷۸ء، ص ۱۲۰)

اسی طرح مسٹر گاندھی جنہوں نے تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کی بنیاد رکھی اور انگریزوں سے عدم تعاون کا چرچا کیا۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے جنگِ عظیم میں ہندوستانی فوجیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھیجا۔ ایک عینی شاہد سید سلیمان اشرف بہاری لکھتے ہیں:- "جب ہندوستانی فوجیں اس جنگ میں ترکوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجی جانے لگیں تو کسی نے کچھ نہ کہا بلکہ مسٹر گاندھی نے فوجوں کو بھیجنے اور سپاہی بھرتی کرانے میں بڑی جدوجہد کی۔"

(سلیمان اشرف، النور مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء، ص ۱۴۸، ۱۴۹)

شیوعِ دہریت و فروغِ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی[1]

انگریزی تہذیب وتمدن کی تقلید سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں امام احمد رضا نے اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے اور ایک ایک خرابی کو گنایا ہے جس سے انگریزی تہذیب کے بارے میں ان کے افکار وخیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقول امام احمد رضا اس تقلید سے یہ خرابیاں پیدا ہوئیں:-

تشبہ وضع یعنی مسلمانوں نے اسلامی وضع قطع چھوڑ کر رفتہ رفتہ انگریزی وضع قطع اختیار کرلی اور اپنی تہذیب چھوڑ کر انہیں کے رنگ میں رنگ گئے۔ اب یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں رہی۔

تحقیر شرع یعنی مسلمان انگریزی افکار وخیالات کے مقابلے میں شرعی امر ونواہی کو بے وقعت سمجھنے لگے اور دینی امور پر بحث کرنے میں بہت دلیر ہوگئے ــــ یہ بات بھی بے حقیقت نہیں، وزن رکھتی ہے۔

شیوعِ دہریت یعنی اسلام سے بیگانہ ہوکر مسلمان دہریت کی طرف چل نکلے، چنانچہ ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی پر خود ان کے بیان کے مطابق ایک ایسا زمانہ گزرا تھا جب کہ وہ دہریہ ہوگئے تھے ــــ اب بھی بعض تعلیم یافتہ دہریت کی طرف مائل نظر آتے ہیں؟ ــــــ

فروغِ نیچریت یعنی مسلمانوں نے خدا کو چھوڑ کر نیچر ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، اس طرح وہ ایمان ویقین اور توکل کی دولت سے محروم ہوگئے، ان کی نگاہ پر عقل چھاگئی اور طریقت وعرفان سے ان کے دل خالی ہوگئے

---

[1] احمد رضا خاں: المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۹۲

بہر کیف امام احمد رضا کی تحریر کے تیور بتا رہے ہیں کہ ان کو انگریزوں سے ترک موالات کرنے والوں کی نیت پر شبہ تھا اور انگریزی تہذیب و تمدن کی اشاعت پر شکایت، چنانچہ ایک جگہ وہ گاندھی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"انگریزوں کی تقلید اور فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں، خدا ایسا ہی کرے! ــــــ مگر یہ صرف ترک امداد و الحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے، اُس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں۔" [1]

اسی طرح ندوۃ العلماء نے جب انگریزوں سے راہ و رسم پیدا کی اور اپنے جلسوں میں ان کو بلوایا، اپنے مدرسہ کا ان سے سنگ بنیاد رکھوایا تو امام احمد رضا نے سخت تنقید کی۔ اہل ندوہ نے انگریزی حکومت کے بارے میں یہ اظہار خیال کیا (بقول امام احمد رضا):۔

"خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی راضی و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔" [2]

اہلِ ندوہ کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے امام احمد رضا لکھتے ہیں:۔

"جس نے تمام بد مذہبوں سے وداد و اتحاد کیا، خدا کو انگریزی گورنمنٹ کا مثل بنایا۔" [3]

---

[1] احمد رضا خاں: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۳

[2] عبدالوحید: دربارِ حق و ہدایت، مطبوعہ پٹنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء، ص ۱۲۳

[3] ایضاً، ص ۱۲۷

۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام (کانپور) کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر ندوۃ العلماء کی داغ بیل پڑی ۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ مولانا محمد علی مونگیری اس کے پہلے ناظم تھے اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی ، مولانا احمد حسن کانپوری اس کے روح رواں تھے[1] ۔ ایک اجلاس کانپور میں امام احمد رضا خاں بریلوی نے بھی شرکت کی اور اصلاح نصاب پر ایک مقالہ پڑھا ــــــ مگر بڑی سرعت سے ندوۃ العلماء کا مزاج بدلا اور امام احمد رضا الگ ہو گئے بلکہ ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء سے ندوۃ العلماء کے خلاف مہم کا آغاز کیا ۔

ندوۃ العلماء کے اجلاس لکھنؤ منعقدہ اپریل ۱۸۹۵ء میں جو طویل نظم پڑھی گئی اس میں ملکہ وکٹوریہ اور لیفٹیننٹ گورنر لارڈ الگن کی مدح کی گئی ہے ۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :۔

گورنمنٹ وکٹوریہ شاد بادا | دلش خرم ملکش آباد بادا!
فلک پر ہیں جب تک ستارے چمکتے | زمیں پر ہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستاں میں جب تک ہیں گل مہکتے | درختوں پہ جب تک ہیں طائر چہکتے

رہے لارڈ الگن کا اقبال یاور
مدارج ہوں لیفٹیننٹ صاحب کے برتر[2]

ظاہر ہے ایسی تنظیم سے امام احمد رضا کیسے وابستہ رہ سکتے تھے جس کے ارکان ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں رطب اللسان تھے ۔ امام احمد رضا کا تو یہ عالم تھا کہ جس کارڈ پر ملکہ کی تصویر ہوتی اس کو اُلٹا کر کے پتا تحریر فرماتے ، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء پر تنقید کی چنانچہ حدائق بخشش (حصہ سوم) میں اہل ندوہ کی ہجو میں بعض اشعار ملتے ہیں یہاں چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں :۔

---

[1] سالانہ رپورٹ ندوۃ العلماء ، مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲ھ

[2] خواجہ رضی حیدر : تذکرہ محدث سورتی ، مطبوعہ کراچی ، ۱۹۸۱ء ، ص ۱۰۶

گہ روافض را بسر بر تاج لطف اللہ نہند
گہ پوادر را بہ تخت عالماں بر می کنند[1]

بخت ورخت وتخت دیں ہیں، جلوہ باصدر کس بران
پادری وسکاٹ بامسٹر براڈر می کنند[2]!

سازناز عالماں ہیں، نظم و بزم دیں بدیں!
میز و اسٹیج وٹکٹ ہال و کلب گھر می کنند[3]

زیں سگالش ہا چہ نالش ہا کہ خود ایں سرکشاں!
داور داوار را برکش گور زر می کنند[4]

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ عالموں کی مسند پر انگریزوں کو بٹھایا جائے، اور انگریزی وضع کے مطابق جلسہ گاہ کو سجایا جائے اور انگریزوں سے کسی قسم کی مدد لی جائے اور ان کو اپنا آقا بنایا جائے۔
یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے عربی قصیدے میں جو ۱۳۱۵ھ میں اجلاس پٹنہ میں ہزاروں کے مجمع میں پڑھا گیا اہلِ ندوہ کو یوں انتباہ کیا ہے ۔

---

[1] احمد رضا، حدائق بخشش، حصہ سوم مطبوعہ نابعہ، ص ۳۱
[2] ایضاً ص ۳۱
[3] ایضاً ص ۳۱
[4] ایضاً ص ۳۲

خسرتم حظکم دینا و دنیا
لعمر اللہ ذا الخسر الجبر سیدلی

ترجمہ: دین و دنیا دونوں میں اپنا حصہ زیاں میں ڈالا۔ حیات۔ خدا وندی کی قسم یہ نرا ٹوٹا ہے۔

(۶) خلوت و جلوت

انسان کی خلوتوں اور اس کے دوست و احباب کی چاہتوں سے اس کی شخصیت کے سربستہ راز کھلتے ہیں۔ ظاہر میں وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ خلوت و جلوت کے احوال یکساں ہوں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ظاہر بہت دل پذیر ہے اور باطن بہت مہیب ـــــــ تو آیئے امام احمد رضا کی خلوتوں میں چلیں ان کی باتیں سنیں اور دوستوں اور بزرگوں کو دیکھیں اور معلوم کریں کیا خلوتوں میں انگریز کی تعریف ہوتی تھی اور کیا ان کے دوست و بزرگ انگریزوں کے خیر خواہ تھے؟

۱۳۳۷ھ / سنہ ۱۹۱۹ء میں امام احمد رضا، مولانا عبد السلام کی دعوت پر جبل پور (سی۔ پی، بھارت) تشریف لے گئے۔ خیال ہے کہ یہ وہی سنہ ہے جس میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور بڑے پیمانے پر انگریزوں کی مخالفت شروع ہوئی ـــــــ قیام جبل پور کے زمانے میں امام احمد رضا کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے جایا کرتے تھے، مولانا عبد السلام کے صاحبزادے، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (جن کا سن شریف ۹۰ سے تجاوز کر چکا ہے) تحریر فرماتے ہیں :-

> ایک دن بعد نماز عصر تفریح کے لیے بگھی پر گن کیرج فیکٹری کی طرف نکلے فوجی گوروں کی پارٹی، فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جا رہی تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا! "کم بخت بالکل بندر ہیں۔" [۲]

---

[۱] احمد رضا : آمال الابرار، ص ۸

[۲] محمد برہان الحق : اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۴۰۱ھ / سنہ ۱۹۸۱ء، ص ۹۱

انگریز کو بندر کہنے والا اس کا خیر خواہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

امام احمد رضا نے جن لوگوں سے اپنے خاص تعلق خاطر کا اظہار فرمایا ہے ان میں مجاہد جنگ آزادی مولانا فیض احمد بدایونی کے بھائی مولانا عبدالقادر بدایونی اور شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ مولانا فیض احمد آگرہ ، دہلی ، لکھنؤ اور شاہجہاں پور وغیرہ کے محاذوں پر لڑے اور کمان بھی کی ــــــ مولانا کفایت علی کافی مرادآباد کے صدر الشریعت تھے ، جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور ۱۸۵۸ء میں سولی پر لٹکا دیئے گئے ــــــ اس مجاہد کبیر سے امام احمد رضا کو قلبی لگاؤ تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے ۔ امام احمد رضا ، کافی کی نعتیہ شاعری سے اس حد تک متاثر تھے کہ ایک قطعہ میں ان کو نعت گو شعراء کا بادشاہ قرار دیا ہے اور خود کو ان کا وزیر اعظم فرماتے ہیں : ۔

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم ‏ ‏ ‏ ‏ یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم

کافی سلطان نعت گویاں ہیں رضا ‏ ‏ ‏ ‏ ان شاء اللہ میں وزیر اعظم[1]

یہ قطعہ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں کہا گیا ہے جب ، کہ ملکی اور سیاسی حالات ایسے نہ تھے کہ کوئی شخص کسی شہید جنگ آزادی سے اس طرح بیباکانہ تعلق خاطر کا اظہار کرے اور انگریزوں کے خیر خواہ سے تو یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنا سلسلۂ نعت ، انگریز کے کسی دشمن جاں سے ملائے ــــــ

⑦ الزامات و اسباب الزامات

مندرجہ بالا شواہد و حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے خیر خواہ نہ تھے بلکہ ان کو انگریز کی حکومت و عدالت ، تہذیب و معاشرت ، تعلیم و نظام تعلیم ، افکار و خیالات ، شکل و صورت غرض ہر بات سے نفرت تھی ــــــ

---

[1] احمد رضا : حدائق بخشش ، حصہ سوم ، مطبوعہ بدایوں ، ص ۹۳ - ۹۴

نفرت کا اندازہ ان کے اس حزم و احتیاط سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انگریزوں سے سازباز کے متعلق مخالفین کے قول کو نقل کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں: ——

"اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں، یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں۔" [۱]

تو آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر ان کو انگریز نواز اور انگریزوں کا خیر خواہ کہا گیا؟ ——— راقم کے نزدیک اس کے اسباب مذہبی بھی تھے اور سیاسی بھی ———

امام احمد رضا کا اپنے مخالفین سے بحث و مناظرہ کا سلسلہ تو کافی عرصہ سے چل رہا تھا جس سے ان کے مخالفین کافی چراغ پا تھے، مگر یہ سب کچھ مذہبی سطح پر تھا۔ مخالفین نے سیاسی سطح پر امام احمد رضا کی تنقیدات کا بدلہ لینا چاہا اور اس میں ان کو ایک حد تک کامیابی ہوئی، مخالفانہ پروپیگنڈے نے نصف صدی تک امام احمد رضا کو اہل علم سے پوشیدہ رکھا لیکن بالآخر یہ طلسم ٹوٹا اور حقائق سامنے آئے۔

تحریک خلافت ۱۹۱۹ء میں شروع ہوئی، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں سلطان عبدالحمید کی سلطنت ترکیہ کو جو خطرہ لاحق تھا اس کے پیش نظر یہ تحریک سلطنتِ ترکیہ کی حمایت میں چلائی گئی ——— بظاہر یہ مذہبی تحریک تھی مگر اس کے اسباب خالص سیاسی تھے مسٹر گاندھی اور ہندوؤں کی شرکت اس حقیقت کی غماز ہے، در اصل تحریک کے پردے میں ہندو، ہندوستان کی مطلق آزادی کی جد وجہد کر رہے تھے، اس راز سے بعض سادہ لوح مسلمان بے خبر تھے ——— امام احمد رضا نہ اس سیاسی دو رنگی کے قائل تھے اور نہ وہ سیاسی مصالح کی خاطر مذہب کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ——— تحریک کے حامیوں نے مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لیے ایک چال چلی اور وہ یہ کہ سلطان ترکی کو خلیفہ قرار دیا اور سلطنت ترکیہ کو خلافت ترکیہ ——— شریعت اسلامیہ

---

[۱] احمد رضا: دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۹۵، ۹۶

میں خلیفۂ اسلام اور بادشاہ اسلام، سلطنت اور خلافت کے لیے احکام جُدا جُدا ہیں ـــ خلیفہ اور خلافت کی حفاظت فرض ہے اور سلطان وسلطنت کی حفاظت واعانت حسب استطاعت واجب ـــــــ یہی وہ فرق تھا جس نے امام احمد رضا کو اس تحریک سے الگ رکھا، امام احمد رضا، عبدالحمید کو سلطان ترکی سمجھتے تھے، خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ البتہ اس کی اعانت کو حسب استطاعت واجب مانتے تھے ـــــــ بعد کے واقعات نے بتایا کہ خود اہل ترکی سلطان عبدالحمید کو بادشاہ ہی تصور کرتے تھے اور ان کی حکومت کو سلطنت، اسی لیے انگریزوں نے تو نہیں خود ترکیہ کے مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور تمام سیاست داں ہکا بکا رہ گئے، شرمندگی مٹانے کے لیے انہیں کو مبارک باد کے تار بھیجنے لگے حالاں کہ انہوں نے وہ کام کیا جس کی توقع انگریز سے کی جا رہی تھی ـــــــ

تحریک خلافت سے امام احمد رضا کی علیحدگی کو خوب ہوا دی گئی اور اب تک دی جاتی ہے حالاں کہ حقائق بالکل برعکس ہیں ـــــ اس ہوا دینے میں قابل ذکر سیاست دانوں کا ہاتھ ہے، چنانچہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو بریلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا، اس سلسلے میں ابوالکلام آزاد نے امام احمد رضا کو ۱۲ رجب ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو خط لکھا جو ڈپلومیسی سے خالی نہیں مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین نے امام احمد رضا کے شرعی مسلک کو، سیاست میں گھسیٹ کر ان کو بدنام کیا ہے۔

ابوالکلام لکھتے ہیں :-

> مسئلہ تحفظ وصیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات اور اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔ [1]

---

[1] محمد جلال الدین، ابوالکلام کی تاریخی شکست، مطبوعہ لاہور، ص ۸۰ - ۸۱

جس کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہو سکتا ہے مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکی کی مدد و اعانت سے انکار تھا بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کے لیے کوشش کی[1] ——— اور نہ وہ اسلام کے دشمنوں کے خیر خواہ تھے۔

مگر شہرت یہ دی گئی کہ تحریک خلافت سے اس لیے علیحدہ ہیں کہ اندرونِ خانہ انگریزوں سے ساز باز کر رکھی ہے۔ سیاسی تحریکوں کے جوش جنوں میں عقل کا کہاں گزر؟ ——— سب کو یقین آگیا اور مخالفین کا یہ حربہ کامیاب رہا تا آں کہ حیات، خود شارحِ حیات بن کر سامنے آگئی اور خوب ناخوب عمل کی گرہ کو کھول کر رکھ دیا ——— امام احمد رضا تحریک خلافت میں مخالفین کے طرز عمل اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :- ———

"معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے، نہ خود نہ وہ، خالی چیخ و پکار کا نام حمایت رکھا ہے، اہل عقل و دیں اول تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہلسنت ہر شے سے زیادہ عزیز ہے، مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے لہٰذا ایسے لفظ کی چلا آہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہل سنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام بھڑکیں اور دیو بندیت

---

[1] تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کریں۔

۱۔ امام احمد رضا : دوام العیش فی الائمۃ من قریش، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

۲۔ محمد مسعود : فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۳۔ محمد مسعود : تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

وہابیت کے پنجے جمیں۔ ؎

جس طرح تحریک خلافت میں امام احمد رضا کو اُصولی اختلاف تھا اسی طرح تحریک ترک موالات سے (جو ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی) اُصولی اختلاف تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں ہمیشہ ہندو اکثریت میں رہے اور اس میں مسلمان سلاطین کی عظیم الشان رواداری کا پورا پورا عمل دخل ہے ——— لیکن مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے ——— بالعموم خطرات اقلیت کو اکثریت سے ہوتے ہیں نہ کہ اکثریت کو اقلیت سے، تو بنیادی طور پر مسلمانوں کو انگریزوں سے زیادہ ہندوؤں سے خطرات تھے اور اس کے نظائر و شواہد سامنے آچکے تھے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی ——— اکبر بادشاہ کے زمانے میں اگرچہ اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا مگر ہندو اپنی سیاسی حکمت عملی سے اقتدار میں اس طرح دخیل ہو گئے کہ خود اسلام خطرے میں پڑ گیا، جن حضرات کی تاریخ پر گہری نظر ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں ———

قوم پرست مسلمانوں اور جمعیۃ العلماء ہند کے اکابرین کا طرز عمل اس تاریخی پس منظر سے بالکل بیگانہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے غیر منقسم ہندوستان کے طویل اسلامی ماضی کے تجربات و مشاہدات اور اپنی آنکھوں دیکھے خونچکاں واقعات سے قطع نظر کر کے مشرکوں کے

؎ احمد رضا: دوام العیش۔ ص ۹۴، ۹۵

نوٹ: امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ "دیوبندیت اور وہابیت کے پنجے جمیں" معنی خیز معلوم ہوتا ہے خصوصاً اس خبر کی روشنی میں جو اسی زمانے میں مولانا مختار احمد صدیقی صدر جمعیۃ العلماء ہند (صوبہ بمبئی) نے ایک خط میں تحریر فرمائی، آپ نے فرمایا:۔

"وہابی اس صوبہ میں اس قومی روپے سے جو ترکوں کے دردناک حالات بیان کر کے وصول کیا گیا تھا، اب تک دو لاکھ تقویۃ الایمان چھاپ کر مفت تقسیم کر چکے ہیں"

(خطبہ صدارت مولانا حامد رضا خاں، مراد آباد ۱۹۲۵ء۔ ص ۲۱)

(مسعود)

آگے دوستی و محبت کا ہاتھ بڑھایا حتیٰ کہ ان کو اپنا قائد اور رہنما تسلیم کرلیا ــــــ

امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا جس نے خود مذہب پر ضرب کاری لگائی تھی ــــــ اگر غیروں سے بے جا دوستی و محبت کا دم بھرا جاتا اور مسلمان صرف آزادی کے لیے جدوجہد کرتے تو یقیناً امام احمد رضا کو اپنا ہم نوا پاتے چنانچہ تحریک پاکستان جس میں ایک ہندو بھی شریک نہ تھا[1]، امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور معتقدین نے بھرپور حصہ لیا، ان کا نقطۂ نظر سیاسی سے زیادہ اسلامی تھا۔ امام احمد رضا اس کے لیے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کے جوتے کو اُتار کر مشرکوں کے طوق غلامی کو گلے میں ڈالا جائے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سونپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیا جاتے ــــــ قوم پرست مسلمانوں کو مشرکین کے اخلاص نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا کو ان کی نیتوں کا حال معلوم تھا چنانچہ بعد کے حقائق و شواہد سے امام احمد رضا کے اندیشوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

حال ہی میں السٹریٹڈ ویکلی میں مسز اندرا گاندھی کی غیر مطبوعہ کتاب مائی ٹروتھ سے چند اقتباسات شائع ہوئے ہیں جس کو روزنامہ جنگ (کراچی) نے نقل کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم پرست ہندوؤں کے دل، قوم پرست مسلمانوں کے لئے کتنے تنگ تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان اقتدار میں آئیں ــــــ سنیئے مسز اندرا گاندھی راز درون خانہ کو طشت از بام کرتی ہیں:۔

"جب ڈاکٹر ذاکر حسین کو بھارت کے صدر کے عہدے کے لئے ہمارا اُمیدوار نامزد کیا گیا تو ہمارے بہت سے لوگوں کو کسی مسلمان کے صدر

---

[1] اہل دانش کے لیے لمحۂ فکر ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت میں خلافت اسلامیہ کی بقا کی جدوجہد میں مسٹر گاندھی پیش پیش تھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ خود اپنے ملک میں جب مسلمانوں نے اپنے حقوق کی ــــــ تو مسٹر گاندھی نے سخت مخالفت کی۔ اس طرز عمل سے ان کے اخلاص نیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (مسعود)

مملکت بننے کا خیال پسند نہیں آیا۔ میں نے پارلیمنٹ کے ارکان، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور دوسرے بہت سے حضرات سے اس بارے میں تبادلۂ خیال کیا تھا اور ان سب کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین میں سوائے اس کے کوئی خرابی نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہیں[1] ــــــــــ

اس اقتباس سے واضح ہوگیا کہ امام احمد رضا کے اندیشے صحیح تھے ــــــ دراصل جو لوگ امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا الزام لگاتے ہیں وہ قوم پرستانہ سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور ایک قومی نظریہ کے حامی ہیں۔ ان کے نزدیک بدیسی مشرکین و نصاریٰ سے دیسی مشرکین و کفار کا اقتدار بہتر ہے مگر اسلام کی نظر میں دیسی بدیسی کی کوئی تمیز نہیں ــــــ اقتدار خواہ بدیسی مشرکین کا ہو یا دیسی مشرکین کا اسلام کی نظر میں ایک ہے ــــــ امام احمد رضا نے قوم پرستانہ ذہنیت کے خلاف جہاد کر کے اسلام کی آفاقیت کا پرچار کیا اور مسلمانوں کو بیدار کیا، ان میں دینی حمیت پیدا کی ــــــ انہوں نے بتا دیا کہ حکومت ہو تو اسلام کی ہو ورنہ اسلام کی نظر میں دیسی بدیسی برابر ہیں بلکہ وہ مشرکین بدتر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی بنا پر قتل کیا اور قتل عام جاری رکھا۔[2]

بہرکیف تحریک ترک موالات میں امام احمد رضا کی مخالفت کی بڑی دھوم دھام تھی، مشہور نومسلم مترجم قرآن، محمد مارماڈیوک پکتھال (صدر سندھ خلافت کانفرنس) نے

---

[1] اخبار جنگ (کراچی)، شمارہ ۲۹ر نومبر ۱۹۸۰ء ص ۱۲، ک ۶، ۷

بحوالہ السٹریٹیڈ ویکلی، نومبر ۱۹۸۰ء

[2] امام احمد رضا کے زمانے میں اور اس سے پہلے اور بعد بہت سے ہندو مسلم فسادات ہوئے اور کیوں جائیے تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء سے اب تک ہندوستان میں تقریباً ۵ ہزار فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ یہ اعداد ہندوستان کے مشہور صحافی کلدیپ نیر نے مہیا کئے ہیں۔ صرف ۱۹۶۱ء میں ۲۴۸ فسادات ہوئے۔ (جنگ (کراچی) ۲۵، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۲، ک ۷) اور ۱۹۸۰ء میں مرادآباد، الٰہ آباد، علی گڑھ وغیرہ میں جو کچھ ہوا وہ تو ابھی کی باتیں ہیں۔ الغرض تقسیم ہند سے لے کر اب تک لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ (مسعود)

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں جولائی ۱۹۲۱ء میں کراچی کے ایک اجلاس میں فرمایا :۔

"مجھے معلوم ہے ایسے حضرات بھی ہیں جو ہندوؤں کی قیادت کو مسلمانوں کے لئے غلط تصور کرتے ہیں۔" [1]

امام احمد رضا نے اپنی بہت سی تحریروں میں تحریکِ ترکِ موالات سے علیحدگی کے اسباب کا ذکر کیا ہے اور اس تحریک کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ رسالہ قابلِ ذکر ہے :۔

اَلْمَحَجَّۃُ الْمُؤْتَمَنَۃ فِیْ اٰیَۃِ الْمُمْتَحَنَۃ[2]

(ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)

اس رسالے میں ایک جگہ سر سید احمد خاں کی انگریز نوازیوں اور ترکِ موالات کے حامیوں کا ہندو نوازیوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مگر للہ انصاف وہ غلامی ادھوری تھی ــــــ سید احمد خاں نے کسی پادری نصرانی کو امورِ دین میں صراحۃً اپنا امام و پیشوا نہ لکھا تھا[3] آیات و احادیث کی تمام عمر کو چیرہ حق یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا[4]، کسی پادری کو مساجد میں مسلمانوں کا واعظ و ہادی نہ بنایا تھا[5] نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا[6] یا کسی پادری

---

[1] محمد افضل اقبال، لائف اینڈ ٹائم آف محمد اقبال، مطبوعہ لاہور، ص ۲۲۰

[2] راقم نے اس رسالے کی روشنی میں "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" کے عنوان سے ایک مقالہ قلم بند کیا تھا جو کتابی صورت میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے ۱۹۷۱ء میں شائع کرایا تھا، اس کے بعد لاہور سے اس کے چار ایڈیشن اور شائع ہو چکے ہیں۔ [3] یہاں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے گاندھی کی قیادت کو تسلیم کیا اور پیشوا بنایا (خواجہ حسن نظامی: مہاتما گاندھی کا فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۰ء) [4] یہاں بھی مولانا فرنگی محلی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ایک فارسی شعر میں گاندھی کے لیے کہا کہ جو عمر قرآن و حدیث میں گزری تھی وہ سب کی سب ایک بت پرست کے قدموں پر نچھاور کر دی (بحوالۂ مذکور) [5] مولانا محمد علی جوہر نے دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر شردھانند کو ساتھ بٹھایا اور اس سے تقریر کرائی۔ (عبد الوحید خاں، مسلمانوں کا ایثار اور جنگِ آزادی ص ۱۴۲)

[6] مولانا شوکت علی نے ہندوؤں کی رضا کو خدا کی رضا قرار دیا (محمد جمیل الرحمٰن: تحقیقات قادریہ، بریلی

مسلسل

کو نبی بالقوہ نہ بنایا تھا[1] ـــــ اور اب مشرکین کی پوری غلامی ہو رہی ہے ،ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زیادہ کیا جا رہا ہے ۔[2] ـــــ

مسلمانوں پر مسٹر گاندھی کی سیاست کا کچھ ایسا جادو چلا کہ نہ صرف گاندھی کی قیادت بلکہ ان کی ولایت، کے لیے راہ ہموار کی جانے لگی چنانچہ اس سلسلے میں محمد مارما ڈیوک پکتھال کے مندرجہ ذیل خیالات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے ، ۱۹۲۱ء میں اجلاس کراچی میں اُنہوں نے فرمایا :

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہندو ولی جو زیادہ بلند سطح پر ہو ،ایک ایسے گنہ کار مسلمان سے بہتر قائد ہے جو پست سطح پر ہو کیوں کہ بلند سطح کے لیے صرف ایک قانون ہے ـــــ مسلمان ، ہندو ، عیسائی ، یہودی وغیرہ سب کے لیے ایک ہے ـــــ یہ قانونِ الٰہی ہے جو قرآن شریف میں نازل ہوا ۔"[3]

غالباً پکتھال کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا .... وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ـــــ ابو الکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کی جلد اوّل میں اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :۔

"انسان کا تعلق خواہ کسی دین و مذہب سے کیوں نہ ہو اگر وہ خُدا پر ایمان رکھتا ہے تو نجاتِ اُخروی کا مستحق ہے ۔"[4]

مسٹر گاندھی کو اس تفسیر سے بڑی تقویت ملی اور خوشی ہوئی کیونکہ وہ اس تفسیر کے مطابق خود کو نجاتِ اُخروی کا مستحق سمجھتے تھے ۔چنانچہ اُنہوں نے تفسیر کے اس حصے

---

[1] اسحاقؑ ملی ظفر الملک نے گاندھی کے لیے یہ بات کہی (پیسہ اخبار ، لاہور ۱۸ ر نومبر ۱۹۲۰ء)

[2] احمد رضا ، المحجۃ المؤتمنۃ ،مشمولہ رسائل رضویہ ، جلد دوم ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ، ص ۹۴

[3] محمد افضل ، لائف اینڈ ٹائم آف محمد اقبال ، ص ۲۲۰

[4] رسالہ ایمان (دہلی) ، شمارہ ۱۵ ر اپریل ۱۹۴۰ء

کا گجراتی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا اور تقسیم کرایا۔ یہ انکشاف خود مسٹر گاندھی نے جامعہ ملیہ، دہلی کے ایک اجلاس میں کیا۔ [1]

امام احمد رضا اس قسم کے اتحاد کے مخالف تھے جس نے خود مسلمان عالموں کے ہاتھوں ایک کافر و مشرک کو ولی کامل بنا کر ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کیا اور خود علماء نے ان کی قیادت کو دل و جان سے تسلیم کیا ——— بلکہ اپنے قلم سے اوراق تاریخ میں فخریہ ان کے احوال لکھے۔ ———

یہی وہ داغ موالات تھا جس کو امام احمد رضا نے اُجاگر کیا، اس کا بدلہ علمی سطح پر نہ لیا گیا، سیاسی سطح پر لیا گیا اور منصوبہ یہ بنایا گیا کہ انگریز پرستی کا الزام لگا کر امام احمد رضا کے خلاف ایسا ہنگامہ برپا کیا جائے کہ اپنا داغ دُھلے یا نہ دُھلے اس غُل شور میں دب تو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر جب ہنگامے سرد ہوئے اور سکھوں کا دَور دورہ ہوا تو حق و باطل الگ الگ نظر آنے لگا ——— سب کو ہمیشہ کے لیے تاریکی میں نہیں رکھا جا سکتا، ایسی کوششیں بالآخر رائیگاں جاتی ہیں اور ندامت و شرمساری کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

امام احمد رضا پر تحریک ترکِ موالات کے دوران جو الزامات لگاتے وہ ماہنامہ السواد الاعظم نے نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) نینی تال میں لفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی۔

(۲) گورنمنٹ کی خوشی کے لیے اس کے حسب منشاء فتوے لکھا۔

(۳) گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔ [2]

(۸) جواب و تصدیق جواب

امام احمد رضا نے ان تمام الزامات کا ایک جواب دیا جو سب پر بھاری ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

---

[1] رسالہ ایمان (دہلی)، شمارہ ۱۵ راپریل ۱۹۲۰ء
[2] السواد الاعظم (مراد آباد)، شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء، ص ۳۰

"ان کا جواب اس سے بہتر میں نے پاس کیا ہے "لعنۃ اللہ علی الکذبین"
جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔" ۱؎

ممکن ہے کہ اس صفائی اور وضاحت کے بعد بھی بعض حضرات کو اطمینان نہ ہو تو ان کو ایک ایسے شخص کی شہادت پیش کی جاتی ہے جو تحریک موالات میں امام احمد رضا کے مخالفین میں شمار ہوتے تھے یعنی مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری، سنیئے وہ کیا کہتے ہیں:۔

"ترکِ موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی مجھے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ
"نعوذ باللہ" وہ سرکار برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک
موالات کی مخالفت پر مامور ہیں ـــ ـــ ـــ ـــ دراصل ہر دور میں کسی
کو بدنام کرنے کے لئے کوئی چلتا ہوا اصطلاحی لفظ اختیار کر لیا جاتا ہے جس
کے تماشے میں اپنی زندگی میں بہت دیکھ چکا ہوں۔ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ
اس قسم کی خبریں خواہ ایک فی صد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی ہوں لیکن عام
لوگ کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ثبوت طلب کئے بغیر ایمان لے
آتے ہیں، ایسے مواقع کے لئے یہ محاورہ بنا ہے "کوا کان لے اُڑا"
تحریک ترکِ موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا، اس لیے ایسی
افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا،
مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا۔" ۲؎

اسی طرح امام احمد رضا کے معاصر اور عینی شاہد سید الطاف علی بریلوی نے لکھا ہے:۔

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی بلاشبہ

۱؎ السواد الاعظم (مراد آباد)، شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء، ص ۳۰

۲؎ محمد مرید احمد چشتی، خیابانِ رضا، (قلمی)، مملوکہ مکتبہ قادریہ لاہور، (طبع شد)

حریت پسند تھے، انگریزی اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی، "شمس العلماء" قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں، مصطفےٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی قطعاً راہ و رسم نہ تھی۔" [۱]

(۹) حقائق و شواہد

مندرجۂ بالا شواہد و حقائق کی روشنی میں اب وثوق اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے جس طرح مولوی سید احمد بریلوی کی دعوت کی تھی، امام احمد رضا کی اس طرح کبھی دعوت نہ کی [۲]

نہ

جس طرح انگریزوں نے مولوی سید احمد بریلوی کی مدد کی تھی، امام احمد رضا کی کبھی مدد کی۔ [۳]

نہ

امام احمد رضا نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی طرح انگریزوں کے متعلق یہ اظہار خیال کیا:-

"ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔" [۴]

---

[۱] اخبار جنگ (کراچی)، شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۶، ک ۴-۵

[۲] محمد علی: مخزن احمدی، مطبوعہ مفید عام آگرہ، ص ۶۷

[۳] حسین احمد: نقش حیات، جلد دوم، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۴ء، ص ۱۲-۱۳

[۴] مرزا حیرت دہلوی: حیات طیبہ، مطبوعہ دہلی، ص ۲۹۶

نہ

کبھی سلطان حجاز عبدالعزیز بن سعود کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا اور نہ انگریزوں نے آپ کے لئے کبھی یہ لکھا :-

"عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل السعود کی خود اپنے اور اپنے ورثاء اور قبائل کی طرف سے ایک عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ طرفین (برطانیہ اور ابن سعود) میں دوستانہ راہ و رسم کی تجدید و تائید ہو جائے۔" [1]

نہ

کبھی عبدالعزیز بن سعود کی طرح حکومت برطانیہ نے آپ کو "ستارۂ ہند" کا خطاب دیا اور نہ کوئی تمغہ لگایا۔ [2]

نہ

امام احمد رضا نے مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء کے بارے میں کبھی یہ اظہار خیال کیا اور نہ کسی میم کو تحفظ دیا۔ [3]

"میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی، وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا، بہادر شاہ کو بہت سمجھایا مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے۔" [4]

---

[1] یہ معاہدہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ / ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء کو ہوا۔ اس میں انگریزوں کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر وائسرائے ہند چیمسفورڈ اور عبدالعزیز بن سعود کے دستخط ہیں۔
(سرگزشت حجاز، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء، ص ۲۴-۲۳۰)

[2] ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ ابن سعود کو حکومت برطانیہ نے "ستارۂ ہند" کا خطاب دیا اور بمقام کویت حکومت کے نمائندہ خلیج فارس، سر پرسی کاکس نے اپنے ہاتھ سے ابن سعود کے سینے پر تمغہ لگایا
سرگزشت حجاز میں اس تقریب کا عکس موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۸ کے مقابل والا صفحہ)

[3] فضل حسین بہاری : الحیات بعد الممات، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۹ھ، ص ۱۲۷

[4] " " " " ۱۲۵

نہ

امام احمد رضا کو انگریز کمشنر نے مولوی نذیر حسین کی طرح یہ پروانۂ وفاداری عنایت کیا :۔

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔"[1]

نہ

سر سید احمد خاں کی طرح انگریزوں کی بدخواہی اور بغاوت کو جرم قرار دیا اور نہ یہ اعتراف کیا :۔

"میں خود وہابی ہوں، وہابی ہونا جرم نہیں بلکہ گورنمنٹ کی بدخواہی جرم ہے۔"[2]

نہ

اہل سنت و جماعت کیلئے امام احمد رضا نے کبھی یہ کہا جو سر سید احمد خاں نے وہابیہ کے لئے کہا :۔

(ل) "غدر کے زمانے میں جب کہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی، ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح تایا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم رہے۔"[3]

(ب) "پس جس آزادیٔ مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ ان کو میسر نہیں، ہندوستان ان کے لیے دار الامن ہے۔"[4]

---

[1] مکتوب کمشنر دہلی محررہ ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء

نفل حسین بہاری : الحیات بعد المماۃ، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء، ص ۱۴۰

[2] الطاف حسین حالی : حیات جاوید، باب پنجم، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۵

[3] " " " ص ۱۲۷

[4] مقالات سر سید : حصہ نہم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۰۲ء، ص ۲۱۲

نہ

کبھی مولوی رشید احمد گنگوہی کی طرح انگریزوں کے اقتدار اعلیٰ کا اعتراف کرتے ہوئے اس قسم کے خود سپردانہ کلمات کہے :

"میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے" [1]

نہ

امام احمد رضا نے مولوی شبلی نعمانی کی طرح یہ فتویٰ صادر فرمایا :

"مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہباً فرض ہے" [2]

نہ

اپنے دار العلوم منظر اسلام کا ندوۃ العلماء کی طرح کسی انگریز سے سنگِ بنیاد رکھوایا" [3]

نہ

ندوۃ العلماء کی طرح منظر اسلام کے لیے انگریزوں کی طرف سے کوئی رقم مختص کی گئی" [4]

نہ

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی طرح یہ اظہار خیال کیا :

---

[1] عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید، جلد اول، محبوب المطابع، دہلی، ص ۸۰

[2] محمد اکرام : شبلی نامہ، ص ۲۰۵، سلیمان ندوی، حیات شبلی، مطبوعہ اعظم گڑھ، سنہ ۱۹۴۳ء، ص ۲۴۴

[3] " " ص ۲۴۵ " " " " " ص ۴۸۲

[4] " " ص ۱۴۸ " " " " " ص ۶۳۰-۶۳۱

" مجھے امید ہے کہ کوئی مسلمان بھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاونت سلطنت کا روادار نہیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم (یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ) یاد رہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہیے۔" [1]

ف

دارالعلوم دیوبند کی طرح دارالعلوم منظر اسلام کے لیے بھی کسی انگریز لفٹیننٹ گورنر کے معتمد نے اس رائے کا اظہار کیا:-

" یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد و معاون سرکار ہے۔" [2]

ف

کسی انگریز معتمد نے یہ اظہار خیال کیا:

" مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم میور صاحب (گورنر صوبہ متحدہ) موجود نہیں ورنہ بکمال ذوق و شوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔" [3]

ف

امام احمد رضا نے دارالعلوم دیوبند کی طرح اپنے علمی اور مذہبی اجلاس میں کبھی کفار و مشرکین کو بلایا اور نہ ان کو کرسیٔ صدارت پر بٹھا کر مجلسِ علماء کو ذلیل و رسوا کیا۔ [4]

---

[1] قاضی محمد سلیمان منصور پوری: خطبۂ صدارت آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس منعقدہ آگرہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء بحوالہ خطبات سلیمانی یہ شائع کردہ مسلمان کیمیکل سیکشن (شیخ توحید اللہ) مارچ ۱۹۱۷ء، ص ۲۴۳

[2] اخبار انجمن پنجاب لاہور مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء

[3] ماہنامہ الرشید (دارالعلوم دیوبند نمبر) لاہور، فروری مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۱۹۶

[4] اخبار جنگ (کراچی)، متعدد تاریخوں سے:

(الف) ۲۷ مارچ ۱۹۸۰ء، ص ۱۲، ک ۸ (د) ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء، ص ۱، ک ۳

(ب) ۲۸ " " ص ۱۲، ک ۲ (ھ) ۲۲ " " ص ۱، ک ۴ تا ۵

(ج) ۲۹ " " ص ۱۲، ک ۶ (و) ۳ اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۱ [illegible]

نـــہ

ریاست بھوپال کے معتمد المہام اور مشہور مصنف نواب صدیق حسن خاں کی طرح کبھی یہ کہا:

"میں تیس سال کامل متوسل و متوطن اس ریاست بھوپال کا ہوں ...... حکام عالی منزلت یعنی کارپردازان دولت انگلشیہ کو تجربہ اس ریاست کی خیرخواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت دوست (صدیق حسن خاں) کا خصوصاً ہو چکا ہے۔"[1]

نـــہ

کبھی نواب صدیق حسن خاں کی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء کے لیے یہ اظہار خیال فرمایا:۔

"بغاوت جو ہندوستان میں بزمانہ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دین اسلام سے آگاہ نہیں ہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور اس کا اٹھانا چاہتے ہیں۔"[2]

نـــہ

ترک موالاتی لیڈروں کی طرح پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کے خلاف ہندوستانی مسلمان سپاہیوں کو بھیجا اور مولانا محمد علی جوہر کی طرح اعتراف گناہ کرتے ہوئے یہ کہا:

"ہم نے پندرہ سو کروڑ روپے اور لاکھوں آدمی میدان جنگ میں بھیجے، اپنا ایمان بھی قربان کیا .... مسلمانوں نے مسلمان بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھائی، اس کا جو معاوضہ دیا جا رہا ہے اس کو مدنظر رکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ بہت مایوس کن ہے۔"[3]

---

[1] صدیق حسن خاں: ترجمان وہابیہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۱۲ھ، ص ۹، ۲۹

[2] " " (ملخصاً) ص ۱۰۶، ص ۵۴

[3] تقریر مولانا محمد علی۔ اجلاس آل انڈیا کانگرس، امرتسر ۱۹۱۹ء بحوالہ اوراق گم گشتہ مرتبہ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۰

ن ہ

مولوی اشرف علی تھانوی کی طرح انگریزوں کی حمایت میں صراحتہً یہ فتویٰ دیا :-

"چوں کہ قدیم سے مذہب اور قانون جملہ مسیحی لوگوں کا یہ ہے کہ کسی کی ملت و مذہب سے پرخاش اور مخالفت نہیں کرتے اور نہ کسی کی مذہبی آزادی میں دست اندازی کرتے ہیں اور اپنی رعایا کو ہر طرح سے امن و حفاظت میں رکھتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہاں ہندوستان میں جو مملوکہ و مقبوضہ اہل مسیح ہے، رہنا اور ان کا رعیت بننا درست ہے۔ ؎۱ (۱۰ر صفر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء)

ن ہ

امام احمد رضا کے کسی معتقد نے ان کے متعلق یہ بات کہی جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا اشرف علی تھانوی کے لیے فرمائی :-

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے، اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپے حکومت دیتی ہے"۔ ؎۲

ن ہ

امام احمد رضا کے کسی عقیدت مند نے یہ بات کہی جو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس کے لیے فرمائی :-

"مولانا الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت

؎۱ رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ : ص ۳۲۴

؎۲ محمد زکی دیوبندی : مکالمۃ الصدرین (۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ)، دارالاشاعت دیوبند

سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا[1]

اس میں شک نہیں کہ مندرجہ بالا حضرات میں سے بعض نے زمانے کے نشیب و فراز کے ساتھ انگریزوں کے خلاف بھی جدوجہد میں حصہ لیا مگر ان کا دامن سیاست انگریز نوازی کے داغ سے بالکل پاک نہ رہ سکا بر خلاف امام احمد رضا کے ان کا دامن سیاست، زندگی کے ہر مرحلے پر اس خصوص میں بے داغ رہا۔ یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہو چکی ہے اور اس کا اعتراف کیا جانا چاہیئے ______ جن لوگوں نے زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر انگریزوں کی حمایت کی اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے اگر ان کے ساتھ یہ رعایت کی جاتی ہے اور ان کا دامن انگریز نوازی کے داغ سے پاک دکھایا جاتا ہے تو امام احمد رضا اس رعایت کے زیادہ مستحق ہیں، ان کی زندگی انگریز نوازی کے الزام سے ایسی بری ہے کہ کسی قسم کی مجرمانہ چشم پوشی کے تکلف کی ضرورت ہی نہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ تاریخ میں وہی لکھا جائے، حقائق جس کی شہادت دے رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا۔ کافروں، مشرکوں، انگریزوں، یہودیوں، آتش پرستوں قادیانیوں غرض ہر باطل فرقے کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ انتقال سے صرف ایک ماہ قبل ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو انہوں نے جو شعر ارشاد فرمایا وہ ان کے سیاسی مسلک کا آئینہ دار ہے، سنیئے وہ کیا فرماتے ہیں:۔

کافر، ہر فرد و فرقہ دشمن ما را

مرتد، مشرک، یہود و گبر و ترسا[2]

ترجمہ: کافر کا ہر فرد و فرقہ ہمارا دشمن ہے۔ خواہ وہ مرتد ہو یا مشرک، یہودی ہو یا عیسائی یا آتش پرست۔

---

[1] محمد زکی دیوبندی: مکالمۃ الصدرین (۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ) دار الاشاعت دیوبند، ص ۸

[2] محمد مصطفیٰ رضا خاں: الملفوظ، حصہ دوم، مطبوعہ بریلی ۱۳۳۸ھ، ص ۹۹

ہمارے بعض مؤرخین و محققین جو غیر مؤرخانہ اور متعصبانہ ذہن میں شریک ہیں سے منجیب بالا حقائق کی روشنی میں ان کو اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور تاریخ کو اس کے صحیح پس منظر میں پیش کر کے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرنی چاہیئے ـــــ اب تک جو ہوا سو ہوا بہر حال اب کوشش کی جانی چاہیئے کہ اس تاریخ کی اصلاح کی جائے جو بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی یک طرفہ طور پر لکھی گئی ـــــــــ سنئے وہ کیا کہتے ہیں :-

"جب میں علماء اہل سنت کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے۔" ۱ے

ذات کے ماتھے پہ آزردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشید درخشاں کے نکلنے تک ہے

ے تقریر مجلس مذاکرہ سلسلہ علیم رضا، منعقدہ کراچی ۶ فروری ۱۹۸۱ء۔

ضمیمہ

اشاعتِ سوم

۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

مرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

باسمہٖ تعالیٰ

(۲)

مقالہ "گناہِ بے گناہی" پہلی بار ۱۹۸۱ء میں المجمع الاسلامی (مبارک پور بھارت) نے دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا، پھر پاکستان میں پہلی بار فروری ۱۹۸۲ء میں مرکزی مجلس رضا (لاہور) نے دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا، یہ ایڈیشن دو ماہ کے اندر اندر ختم ہوگیا، اس کے بعد دوسرا ایڈیشن اسی ادارے نے اپریل ۱۹۸۲ء میں اسی تعداد میں شائع کیا، یہ بھی چند ماہ میں ختم ہوگیا، اب یہ تیسرا ایڈیشن ضمیمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

مقالے کی اشاعت کے بعد ملک و بیرون کے دانشوروں اور صحافیوں نے اس کی پذیرائی کی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا، یہاں چند تاثرات پیش کئے جاتے ہیں جن سے مقصود تحدیث نعمت کے ساتھ ساتھ یہ بتانا ہے کہ سمجھنے والوں نے سمجھا ہے، پرکھا ہے، تسلیم کیا ہے اور اپنا فیصلہ سنایا ہے۔

(۱) ڈاکٹر پیر محمد حسن، سابق شیخ الادب اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور (پاکستان)

"گناہِ بے گناہی" نہایت عمدہ رسالہ ہے اور ڈاکٹر مسعود صاحب نے بہت کامیابی کے ساتھ نبھایا ہے۔" [۱]

---

[۱] مکتوب محررہ ۴ر مارچ ۱۹۸۲ء بنام مولوی محمد مرید احمد چشتی

② پروفیسر ابرار حسین، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)

"گناہ بے گناہی" بہت ہی مدلل ہے اور اب کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ ؎۱

③ پروفیسر محمد اسحاق قریشی، صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد (پاکستان)

میں نے آپ کا مقالہ "گناہ بے گناہی" مجلس رضا سے حاصل کر لیا ہے۔ پڑھا تو خوب لطف آیا، ماشاء اللہ ایک موضوع پر تسلی بخش مواد مہیا ہو گیا، آپ کا انداز تحریر نہایت ہی فاضلانہ ہے، زیر بحث موضوع کا ہر پہلو سامنے آگیا، ؎۲

④ روزنامہ جنگ (کراچی)، شمارہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۳ء، ص ۷، ک ۷

تحریک آزادی کے اہم موضوع پر اس کتاب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ ماہنامہ الاشرف (کراچی)، شمارہ ستمبر ۱۹۸۳ء، ص ۴۵

مخالفین اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یقیناً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے بشرطیکہ ان میں قبول حق اور انصاف پسندی کی صفات ہوں۔

؎۱ مکتوب محررہ ۲۲ مارچ ۱۹۸۳ء بنام راقم الحروف محمد مسعود احمد

؎۲ مکتوب محررہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۳ء بنام راقم الحروف محمد مسعود احمد

اس میں شک نہیں امام احمد رضا کے مخالفین میں بعض حضرات انصاف پسند بھی ہیں چنانچہ ایسے ہی ایک انصاف پسند ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے یہ کتاب پڑھی تو فرمایا :۔

> مولانا احمد رضا خاں کی طرف سے دل میں جو زنگ تھا وہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد دھل گیا۔

لیکن بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو دھوپ نکلنے کے باوجود آفتاب کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے حضرات کے متعلق ایک پروفیسر صاحب نے یہ اظہار خیال فرمایا ہے :۔

> خدا معلوم انسان اتنا کوتاہ اندیش کیوں ہے کہ حقائق سے اغماض کرنے میں فخر سمجھتا ہے، یہ شپرہ چشمی آجکل عام ہے اور لکیر کے فقیر کی طرح جو ایک بار سُن لیا اسے حرزِ جاں بنائے رکھا، میرا ذاتی تجربہ ہے کہ امام احمد رضا کے بارے میں اکثر لوگوں کی معلومات نہایت ناقص ہیں، سنی سنائی بات پر اس قدر اعتماد اور تحقیق و جستجو سے ایسا فرار؟ ——— حیرت ہوتی ہے !۱؎

یہ علمی دُنیا کے حق پسند اور انصاف پسندوں کی آواز ہے ——— سب کو حیرت ہے کہ آنکھ والوں کو کیا ہو گیا کہ دیکھتے نہیں ——— لیکن حیرت کی کوئی بات نہیں ——— پروپیگنڈا دورِ جدید کا موثر ہتھیار ہے، اس کے سامنے علم و دانش اور فلسفہ و منطق ہیچ ہیں ——— امام احمد رضا کے خلاف اسی ہتھیار کو استعمال کیا گیا، یہ کوئی قیاس و گمان نہیں بلکہ اس کے لیے ایک ایسی شہادت میسر آگئی ہے جس سے انکار ممکن نہیں ——— امام احمد رضا کے انتقال (۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء) کے چھ روز بعد (۳ر نومبر ۱۹۲۱ء) لاہور کے مشہور

۱؎ مکتوب محررہ ۲۲ر مارچ ۱۹۸۲ء بنام راقم الحروف محمد مسعود احمد۔

روزنامہ پیسہ اخبار نے اپنے اداریہ میں ایک تعزیتی نوٹ شائع کیا جس کا عکس جناب ظہور الدین خاں صاحب (سیکریٹری مرکزی مجلس رضا لاہور) کی عنایت سے ملا۔ اس اداریہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں سے موالات اور انگریزوں سے ترکِ موالات کرنے والے امام احمد رضا سے :۔

بہت ناخوش تھے، یہاں تک کہ آپکا بائیکاٹ اور بدنام کرنے میں ان کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا۔ باوجود اس کے مرحوم کا پائے ثبات اپنے راستے سے نہ ہٹا۔" [1]

۱۹۲۱ء میں مخالفانہ پروپیگنڈے کا جو سلسلہ چلا ۶۱ برس گزر جانے کے باوجود ابتک جاری ہے، بعض اہلِ علم بھی حقائق سے چشم پوشی فرما رہے ہیں، اور اس پروپیگنڈے میں شریک ہوکر علم و دانش کو رسوا کر رہے ہیں۔ اسی قسم کے ایک فاضل پروفیسر نے اپنی کلاس کے طلبہ سے جو کچھ فرمایا وہ خود ان کے طالب علم کی زبانی سنیئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ ——— طالب علم موصوف پروفیسر صاحب کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اُنہوں نے اعلحضرت کو انگریزوں کا فتنہ دیوبند کے مقابلے میں قرار دیا اور اعلحضرت کی گراں قدر تصنیفات کو بھی فراڈ قرار دیا کہ وہ کتب انگریزوں نے اور لوگوں سے لکھوا کر اعلحضرت کے نام سے شائع کرائیں وغیرہ وغیرہ [2]

---

[1] روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور) شمارہ ۳ نومبر ۱۹۲۱ء

[2] مکتوب طالب علم محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۲ء بنام راقم الحروف محمد مسعود احمد

نوٹ :۔ یہاں مقصود حقیقت واقعہ کا اظہار ہے اس لئے متعلم اور معلم کے نام ظاہر کرنے سے اعراض کیا گیا۔ مسعود

حق پوشی اور دروغ گوئی کی یہ بدترین مثال ہے ـــــ اس قسم کے فضلاء وعلماء نوجوان نسل کو عمداً گمراہ کر رہے ہیں جو ہرگز ان کے شایانِ شان نہیں ـــــ امام احمد رضا اپنے وقت کے آفتاب تھے، مدیر پیسہ اخبار (لاہور) نے اپنے اداراتی نوٹ میں لکھا ہے:۔

"آپ ہندوستان میں علوم دینیہ اسلامیہ کے آفتاب تھے۔" ؎

یہ کسی عقیدت مند کی آواز نہیں ـــــ یہ ایک بے لاگ صحافی کی آواز ہے ـــــ یہ آواز بریلی سے نہیں آرہی ـــــ یہ آواز لاہور سے آرہی ہے ـــــ ہاں یہ آواز سُنی جانی چاہیئے ـــــ بیشک امام احمد رضا ایک ایسے آفتاب تھے جس کی شعاعوں نے دور و نزدیک روشنیاں پھیلائیں ـــــ دیکھتے دیکھتے ظلمتوں کے پردے اٹھتے چلے گئے ـــــ عرب وعجم کے فضلاء و دانشوروں نے اس کا اعتراف کیا ہے ـــــ مگر بے بصری و شپرہ چشمی کو کیا کہیئے، چڑھتے دن اور کھلتی دھوپ میں بھی آفتاب کا انکار کیا جارہا ہے ـــــ انکار کا یہ سلسلہ بہت دراز ہے ـــــ شاید اس بے مہری ایّام کو دیکھ کر امام احمد رضا کی روح نے اپنی شعاعوں کو یہ پیغام دیا ہو ؎

پھر میرے تجلّی کدۂ دِل میں سما جاؤ

چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام

پیغام ملتے ہی ؎

آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں

بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش

اور پھر نصف صدی تک جدید دُنیا سے یہ آفتاب چھپا رہا ——— شعاعیں خاموش رہیں ——— مگر بالآخر ایک شوخ کرن نے ہمت کی، قدم بڑھایا،

ع

بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو! جب تک کہ نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرّہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو! جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب

پھر دُنیا نے دیکھا، اُجالا ہی اُجالا تھا ——— آفتاب پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا ——— کوئی مانے نہ مانے، دیدہ ور مان رہے ہیں

(ب)

بات ایک پروفیسر صاحب سے چلی تھی کہاں سے کہاں جا پہنچی ——— پروفیسر صاحب سُنی سنائی پر ایسا یقین رکھتے ہیں کہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے ——— وہ ہمارے ایسے پڑھے لکھے کے نمائندہ ہیں جس کے لئے آنکھیں بے حقیقت ہیں اور کان ہی سب کچھ ہیں ——— دُنیائے علم و دانش میں یہ انقلاب کبھی نہ آیا تھا کہ کان، آنکھ کی مسند پہ بٹھا دیا گیا ہو اور آنکھ کو رخصت کر دیا گیا ہو ——— اسی بے بصری کی وجہ سے یہ کان والے امام احمد رضا کو انگریزوں کا پروردہ کہتے ہیں کیوں کہ ان سے کان والے یہی کہتے چلے آئے ہیں ——— ہمارے رسالے کا موضوع ہی اس الزام کی تردید ہے ——— بہت کچھ عرض کر دیا گیا، اب کچھ اور عرض کیا جا رہا ہے تاکہ حق اور بلند ہو جائے ——— یہ دلائل و شواہد مقالے کی اشاعت کے بعد سامنے آئے

——— سنیئے! ———

(۱)

امام احمد رضا اپنی ایک قلمی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

دعمرے ست کہ بحمد اللہ از زبان انگریزی نقش حرفے برکرسی لوح نہ نشاندہ ام[۱]

ترجمہ : خدا کا شکر ہے کہ ایک زمانہ گزر گیا مگر میں نے انگریزی زبان کا ایک حرف بھی تختی پر نہ لکھا۔

کیا انگریز کا کوئی خیر خواہ، انگریزی سے اس حد تک متنفر ہو سکتا ہے؟

یہ تحریر بتا رہی ہے کہ امام احمد رضا نہ صرف انگریزوں سے بلکہ ان کی زبان، انگریزی سے بھی متنفر تھے جس کو آج ہم گلے لگائے ہوئے ہیں اور انگریز دشمنی اور اسلام پسندی کا دعویٰ بھی کرتے جاتے ہیں۔

(۲)

اسی انگریزی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

"ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے، انگریزی ہی ہو خواہ کچھ ہو، ایسی چیز پڑھنا حرام ہے۔[۲]

(۳)

ایک سوال کیا گیا کہ ایک مولوی صاحب پادری کے پاس جاتے ہیں اس کے

---

[۱] امام احمد رضا : سفر الطلاح للتقویم والتکالیح (۱۳۲۲ھ /) قلمی، ص ۱
[۲] امام احمد رضا، فتاوٰے رضویہ، جلد ششم، مطبوعہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۰ء، ۲۲

ہاں کھاتے پیتے ہیں، اس سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں اس بحث میں پادری حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وغیرہ کے متعلق گستاخانہ طرز تکلم اختیار کرتا ہے، مولوی صاحب کو منع کیا جاتا ہے کہ ایسے پادری کے پاس نہ جایا کریں مگر وہ ممانعت کا ثبوت مانگتے ہیں، مولوی صاحب کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

امام احمد رضا نے جواباً فرمایا:-

اس نام کے مولوی کے ایمان میں اگر فرق نہ ہوتا تو وہ ایسے جلسوں میں شریک نہ ہو سکتا جن میں اللہ اور رسول کے ساتھ استہزاء و طعن کئے جاتے ہوں، وہ ثبوت مانگتا ہے، اسے اگر ایمان کی خبر ہوتی تو جانتا کہ قرآن عظیم اس صورت میں اس کی مثل نصاریٰ ہونے کا فتویٰ دے رہا ہے۔ [1]

دوست کی رعایت تو بہر صورت کی جانی چاہیئے، مگر یہاں کسی صورت منظور نہیں۔ پھر دوست ہی نہیں بلکہ دوست کا پیشوا پادری ——— اس کے علاوہ جب مباحثہ ایک انگریز پادری سے ٹھہرا تو اس سے ادب؟ احترام کی کیا توقع رکھی جائے مگر امام احمد رضا کی غیرت ایمانی کو گوارا نہیں کہ کوئی انگریز مباحثہ میں بھی شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخانہ پیش آئے چنانچہ وہ فیصلہ صادر فرما رہے ہیں کہ ایسے گستاخ انگریز سے مباحثہ کرنے والا مولوی بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۴)

قادیانی حیاتِ مسیح (علیہ السلام) کے قائل نہیں جب کہ تمام مسلمان اس کے قائل ہیں، قادیانیوں کو برطانوی حکومت سے جو تقویت ملی وہ ڈھکی چھپی بات نہیں، اگر

---

[1] ایضاً ص ۲۵، ۲۶

امام احمد رضا بھی انگریزوں سے فیض یافتہ ہوتے تو قادیانیوں کی رعایت فرماتے مگر انہوں نے نہ قادیانیوں کی رعایت کی اور نہ انگریزوں کی اور حیات مسیح کے موضوع پر ایک فاضلانہ رسالہ تصنیف فرمایا جس کا عنوان ہے۔

"الجُراز الدیانی علی المرتد القادیانی

۱۳۴۰ھ

یہ رسالہ اُسی سال تصنیف فرمایا جس سال آپکا وصال ہوا یعنی اُس سال جس سال آپ پر انگریز نوازی اور انگریزوں کی خیر خواہی کا الزام لگایا گیا۔ یہ رسالہ انگریزوں اور قادیانیوں کے عقیدے کی بیخکنی کرتا ہے، انگریز کا خیر خواہ ایسے نازک وقت میں جب انگریز کے خلاف ہمہ گیر تحریک چل چکی تھی ایسا رسالہ لکھ کر جلتی پر تیل کا کام نہ کرتا ـــــــ لیکن امام احمد رضا کا کہنا تھا کہ کوئی جلتا ہے جلا کرے مگر اسلام پر آنچ نہ آنے پائے ـــــــ وہ اسلام کے نڈر محافظ اور بیباک مجاہد تھے۔

(۵)

امام احمد رضا پر الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ انگریزوں سے ترکِ موالات کے خلاف تھے مگر ایسا نہیں وہ ہر کافر سے موالات کے خلاف تھے اور چودھویں صدی کے عیسائیوں کو بھی کافر ہی سمجھتے تھے، ان کا اٹل فیصلہ تھا!

موالات ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے۔ [1]

حقیقی دوستی، ذہنی مطابقت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب دو جماعتوں کے عقیدے ہی متضاد ہوں تو ذہنی و فکری مطابقت و موانست ممکن ہی نہیں، یہ

---

[1] امام احمد رضا: فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص ۱۲

صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں جماعتوں میں سے ایک دوسرے کے لئے اپنے ایمان اور عقیدے کو قربان کر دے اسی لئے شریعت کا فرون سے موالات (دوستی والفت) حرام ہے بلکہ عقلاً بھی حرام ہے کیونکہ عقیدہ ہی ایک ایسی دولت ہے جس کو سب سے زیادہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ کوئی عقلمند یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کی یہ دولت لوٹ لے جائے۔ امام احمد رضا نے اسی لوٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ حیرت ہوتی ہے بہتان ہونے کے بجائے یہ کہا گیا کہ وہ تو انگریزوں کے خیر خواہ ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ کو انگریزوں کا خیر خواہ کہنا ایک ایسی ستم ظریفی ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ [1]

(ج)

انگریز نوازی کے الزام سے امام احمد رضا کی بریت کے ساتھ ساتھ ہم نے اس رسالے میں ایسے حقائق پیش کئے ہیں جن سے امام احمد رضا کے مخالفین کا دامن کسی نہ کسی مرحلے پر انگریزوں سے وابستہ نظر آتا ہے ____

اس سلسلے میں ایک اور شہادت میسر آئی ہے۔

مولوی محمود حسن دیوبندی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے استاد اور پاک و ہند کی مشہور شخصیت قاری عبدالرحمن انصاری پانی پتی کے حالات پر قاری محمد عبدالحلیم انصاری نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے:۔

---

[1] حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء) میں امام احمد رضا کے سیاسی مسلک کا تفصیلا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سے رجوع فرمائیں۔ مسعود

تذکرۃ الصالحین المعروف بہ تذکرۂ رحمانیہ

اس میں تذکرہ نگار نے چھٹے باب میں قاری صاحب کے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں، اور ان کی اخلاص و للہیت اور بے نفسی کے ذیل میں مندرجہ ذیل دو واقعات لکھے ہیں :۔

۱۔ " غدر ۱۸۵۷ء میں جب اہل باندہ نے سرکار انگریزی سے بغاوت کی تو حضرت نے اس موقع پر پوری کوشش فرمائی کہ لوگ اس مہلک آگ میں کودنے سے کسی طرح رک جائیں، جن علماء سے بلا تعمق نظر جہاد کا فتوے دینے میں لغزش ہوگئی تھی، حضرت نے تحریراً و تقریراً دونوں طرح اس کی تردید فرمائی اور مخلوقِ خدا کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔[۱]

۲۔ غدر کے دوران جب اور جہلاء نے انگریزوں کے بے گناہ بچوں اور عورتوں پر دست درازی شروع کی تو آپ ایسی حرکتوں سے نہایت ناراض ہوئے اور علی الاعلان اس قسم کے افعالِ شنیعہ کی آپ نے مذمت کی، غالباً اس وجہ سے جب بغاوت زوروں پر تھی تو بہت سے انگریز مرد و زن تلاشِ امن میں حضرت کے پاس آئے، حضرت نے ٹھیرنے کے لئے ان سب کو اپنا مدرسہ دیدیا اور خدام و طلبہ کو ہدایت فرمادی کہ ان مظلوم دکھیں انگریزوں کی مدد و حفاظت اور خاطر

[۱] محمد عبدالحلیم انصاری : تذکرہ رحمانیہ، شائع کردہ دارالاشاعت رحمانیہ، پانی پت، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
ص : ۶۱، ۶۲

نوٹ :۔ مولانا اسد نظامی اور جناب خلیل احمد رانا کی عنایت سے ہم کو یہ حوالہ میسر آیا۔ — مسعود

مدارات لوجہ اللہ بموجب حکم خدا اور رسول کرو۔[1]

اس میں شک نہیں کہ سیاق و سباق سے قاری صاحب کی دردمندی و نیک دلی اور للّہیت کا اندازہ ہوتا ہے اس لیے ان واضح شہادتوں کے باوجود ہم حتمی طور پر ان کو انگریزوں کا خیرخواہ نہیں کہہ سکتے لیکن اگر اس قسم کی کوئی شہادت امام احمد رضا کے متعلق مل جاتی تو یقیناً اُن کو نہ بخشا جاتا ـــــ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جو الزام امام احمد رضا پر لگایا جاتا ہے وہ تو اس سے بالکل بری ہیں مگر بہت سے متدین اور متقی حضرات کا دامن بھی اس سے پاک نہیں، پھر کیوں بے داغ کو داغدار بنایا جاتا ہے اور کھرے کو کھوٹا دکھایا جاتا ہے؟

ـــــ دروغ گوئی اور حق پوشی کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہیگا؟

ـــــ اس باب کو اب ختم ہوجانا چاہیئے ـــــ اہل علم کی پیشانی پر یہ ایک داغ ہے۔

یہ بات کسی طبقے یا فرقے کی نہیں ـــــ بات حقائق کی ہے۔

ـــــ سچی بات کو سچائی کے ساتھ کہنے کی ہے ـــــ ہاں اسی سچائی پر قومیں اپنے مستقبل سنوارتی ہیں ـــــ اسی سچائی کو قلب و نظر ترس رہے ہیں۔ ـــــ اسی سچائی کے لئے اسلاف کی روحیں پکار رہی ہیں ـــــ اسی سچائی کے لیے مورخ کا قلم بیقرار ہے ـــــ اسی سچائی کے لئے دلوں نے دریچے کھول دیئے ہیں ـــــ ہاں ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق ـــــ یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

۲؍ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ ــ احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۷؍ جنوری ۱۹۸۳ء ــ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ (سندھ)

[1] محمد عبدالحلیم انصاری: تذکرہ رحمانیہ، شائع کردہ ادارہ اشاعت رحمانیہ، پانی پت، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء، ص ۱۲

ماخذ و مراجع

ابوالحسن علی ندوی : سیرت سید احمد شہید، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء

احمد رضا خاں : اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام، مطبوعہ بریلی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

" " : المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (مشمولہ رسائل رضویہ، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء)

" " : حدائق بخشش، حصہ سوم، مطبوعہ بدایوں

" " " " " " " نابھہ

" " : السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۷ء

" " : تدبیر فلاح و نجات و اصلاح، مطبوعہ لاہور

" " : دوام العیش فی الائمہ من قریش، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

" " : الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء فلسفۃ المشئمہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۴ء

" " : معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

" " : نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ

" " : فوز مبین در حرکت زمین (مشمولہ ماہنامہ الرضا بریلی ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء)

" " : ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری، مطبوعہ بریلی ۱۳۳۱ھ

" " : الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام : مطبوعہ لاہور

" " : آمال الابرار و آلام الاشرار ، مطبوعہ عظیم آباد

" " : العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ، جلد سوم ، مطبوعہ لائل پور

اشرف علی تھانوی : القطاب الملیح فی تحقیق المہدی ، مطبوعہ دہلی

افضل اقبال، ڈاکٹر : لائف اینڈ ٹائم آف محمد علی، مطبوعہ لاہور

احمد علی الشمی : قامع الواہیات من جامع الجزئیات، مطبوعہ بریلی ۱۳۳۱ھ

انوار رضا : شرکت حنفیہ لمیٹڈ، لاہور ۱۹۷۷ء

برہان الحق جبلپوری : اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

جمیل الرحمن قادری : تحقیقات قادریہ، مطبوعہ بریلی

حامد رضا خاں : خطبہ صدارت جمعیت عالیہ، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء

〃 〃 : الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، مطبوعہ بریلی

حسن رضا خاں : قہر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء

حسن نظامی، خواجہ : مہاتما گاندھی کا فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۰ء

حسین احمد دیوبندی : نقش حیات، جلد دوم، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۴ء

حسنین رضا خاں : وصایا شریف (۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) مطبوعہ لاہور

رضی حیدر، خواجہ : تذکرہ محدث سورتی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو)، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

رضا علی، سر : اعمال نامہ، مطبوعہ دہلی

رمضان علی، ابوالحسان : تاریخ وہابیہ، مطبوعہ لائل پور ۱۹۷۶ء

رئیس احمد جعفری : اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء

سلیمان اشرف بہاری : النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء   سلیمان منصور پوری : خطبات سلیمانی

ظفر الدین، بہاری : حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی

عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید، جلد اول، مطبوعہ دہلی

عبد الحکیم اختر : رسائل رضویہ، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

عبد الماجد دریا آبادی : محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند ورق، جلد اول، مطبوعہ اعظم گڑھ

عبد الوحید خاں، ڈاکٹر : مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی

عبدالوحید، قاضی، دربارِ حق و ہدایت، مطبوعہ پٹنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء

صدیق حسن خاں، نواب : ترجمانِ وہابیہ، مطبوعہ امرتسر

فضل حسین بہاری : الحیات بعد المماۃ، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۹ھ

محمد اکرام، شیخ : شبلی نامہ

محمد زکی دیوبندی : مکالمۃ الصدرین، مطبوعہ دیوبند

محمد شفیع، مفتی : مولانا احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی

محمد علی، سیّد : مخزنِ احمدی (فارسی)، مطبوعہ آگرہ

محمد مرید احمد چشتی : جہانِ رضا، مطبوعہ ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۵ لاہور

محمد مصطفےٰ رضا خاں : الملفوظ، حصہ دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

〃 〃 〃 : الطاری الداری لہفوات عبدالباری، مطبوعہ بریلی

مرزا حیرت دہلوی : حیاتِ طیبہ، مطبوعہ دہلی

مشیر حسین قدوائی : سرگزشتِ حجاز، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

رسائل

الرضا (بریلی)، شمارہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

السواد الاعظم (مراد آباد)، شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ

ہمدرد اسلامکیس (کراچی)

اخبارات

انجمن پنجاب (لاہور)، شمارہ ۱۹ر فروری ۱۸۷۵ء

پیسہ اخبار (لاہور)، شمارہ ۱۸ر نومبر ۱۹۲۰ء

=

جنگ (کراچی) ، شمارہ ۱۶ر مارچ سنہ ۱۹۸۰ء

جنگ " ، " ۲۰ر مارچ "

جنگ " ، " ۲۱ر مارچ "

جنگ " ، " ۲۲ر مارچ "

جنگ " ، " ۲۳ر مارچ "

جنگ " ، " ۳ر اپریل "

جنگ " ، " ۲۵ر جنوری سنہ ۱۹۷۹ء

جنگ " ، " ۲۹ر نومبر سنہ ۱۹۸۰ء

کتاب اور صاحب کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ حامداً و مصلیاً

رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، اور ان کی تشریف آوری کے بعد کسی جدید نبی کی آمد بالکل ناممکن ہو گئی ـــــ لیکن قوموں کی رشد و ہدایت کا کام اب بھی علمار امت کے ذریعہ جاری ہے۔ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔ علمار انبیار کے وارث ونائب ہیں۔

ایک اور مشہور حدیث نبوی کے مطابق خصوصیت کے ساتھ ہر صدی پر مجدد دین امّت کی آمد سے اثبات حق، ابطال باطل اور احیار علوم کا فریضہ بڑے نمایاں طور پر انجام پاتا رہا ـــــ اسی سلسلۂ مجددین کی ایک اہم کڑی چودہویں صدی کے مجدد اعظم امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ / ۱۳۴۰ھ) کی ذات گرامی ہے۔

جس کے چشمۂ حق و صداقت سے ایک عالم سیراب ہوا۔ جس کی اصلاح وتجدید کا آوازہ خاک ہند سے لے کر ارض حجاز بلکہ اطراف عالم تک سنا گیا۔ جسے صرف عالم نہیں، سراپا علم کہنا چاہیئے۔ جسے ذہین نہیں مکمل ذہین کہنا چاہیئے۔ جسے محض عبقری نہیں "اَمَامُ الْعَبْقَرِہ" کہنا چاہیئے۔ جس نے پچاس سے زائد علوم وفنون میں اپنی بلند پایہ علمی یادگاریں چھوڑی ہیں ـــ علمار دین ہی نہیں علمار دنیا میں بھی شاید ہی کوئی ایسا عالم مل سکے جس نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصنیفات کی ہوں، یہاں اس عظیم شخصیت کا تعارف مقصود نہیں۔ تعارف کے لئے اس شخصیت پر لکھی جانے والی اردو۔ عربی، انگریزی اور ہندی وغیرہ میں سیکڑوں کتابیں ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

ـــــ کہنا یہ ہے کہ افق علم و دین کے اس درخشندہ آفتاب پر غبار ڈالنے

کی کوشش کی گئی۔ اس کی تیغ قلم کا جواب نہ بن سکا تو الزامات کی روش اختیار کی گئی کوئی سنجیدہ دینی و علمی الزام نہ مل سکا تو سیاسی الزام لگانے کی اسکیم بنائی گئی۔ اس پر انگریز دوستی کا المناک الزام لگایا گیا۔ جبکہ اس کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا اور اس کی حیات کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص شہادت دے سکتا ہے کہ انگریز تو انگریز اس نے کسی بھی بے ایمان کو دوست نہ بنایا۔ جس نے اپنے دل میں عشق الٰہی اور عشق رسول کی شمع روشن کی ہو۔ بھلا اس کے دل کے اندر دشمن خدا اور رسول کی محبت و دوستی کا چراغ جل سکتا ہے؟ حاشا وکلا! جو کبھی کسی گمراہی اور گمراہ کا ہم نوا نہ بن سکا کیا وہ گمراہ نواز ہو سکتا ہے؟ جو کفر و نفاق اور مداہنت فی الدین کے خلاف مسلسل جہاد کرتا رہا ہو اور جو ہر باطل سے معرکہ آرا رہا ہو وہی انگریز دشمن کا دوست ہو سکتا ہے۔؟ لیکن جس طرح اسی دنیا کے اندر دنیا والوں نے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کاہن، شاعر اور مجنون ہونے کے الزامات لگائے۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ اسی طرح سرکار کے نائب و وارث اکابر علما، دین پر دنیا پرستوں نے طرح طرح کے بہتان تراشے، الزامات لگائے ——— اور ٹھیک اسی طرح اسی دنیا میں دنیا والوں نے امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ پر بھی الزام لگایا ——— انگریز دوستی کا الزام ——— دشمنِ دین سے ہم نوائی کا الزام،

○ ——— لیکن حقائق کو زیادہ دیر تک چھپایا نہیں جا سکتا اور ہر شخص کو گمراہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی انصاف پسند اور حق نگر جب تحقیق و جستجو کرتا ہے تو الزامات کے سارے پردے چاک چاک نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک جلیل القدر مسعود کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے اس الزام پر ریسرچ شروع کی۔ رفتہ رفتہ اس کے سامنے حقائق کے چہرے نکھرتے، اور الزامات کے تار و پود بکھرتے نظر آئے اس نے اپنی سرگزشت مطالعہ، اور اپنا تحقیقی مواد ثبت قرطاس کیا۔ اور ان تمام لوگوں کے لئے اسے "جلوۂ بالائے بام" بنا دیا جن کا ذہن اس الزام کی زد میں آ گیا ہو لیکن ان کا سینہ قبول حق

کے لئے کھلا ہوا ہو ــــــ اس سارے الزام کی حقیقت بس ایک نام میں سمو دی گئی ہے۔ "گناہِ بے گناہی" ــــــ

○ــــ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ ایک گرانقدر، دقیع اور موثر شخصیت کا نام ہے، جو ڈاکٹر اور پروفیسر بھی ہیں اور زبردست ادیب اور عالم باعمل بھی، جہاں وہ علوم اسلامیہ اور فنون ادبیہ میں دستگاہ رکھتے ہیں وہیں علوم جدیدہ کے اندر بھی ایک امتیازی شان کے مالک ہیں اور میدان تحقیق میں تو یکتائے روزگار ہیں اور کردار و عمل میں اسلاف کرام کے آئینہ دار، وہ اسلام کے زبردست مبلغ بھی ہیں اور بے لوث مجاہد بھی، ان کی شخصیت ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے جس سے رشد و ہدایت، علم و عمل اور حکمت و دانائی کا درس مل سکتا ہے جس نے کہا حق کہا۔ "اس گئے گزرے زمانہ میں ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ایک ایسا مینارۂ نور ہے جس سے منزل کی سمت راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔" خدائے قدیر اس مینارۂ نور کو تادیر قائم رکھے۔ آمین

○ــــ پروفیسر مسعود احمد نقشبندی مجددی ایک علمی و دینی خانوادہ کے چشم و چراغ اور حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ سابق شاہی امام جامع مسجد فتحپوری کے فرزند ارجمند ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں سرزمین دہلی پر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں اورینٹل کالج مسجد فتحپوری میں داخلہ لے کر فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی، ساتھ ہی اپنے والد جلیل سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا، اسی سال اپنے بھائی مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کے سلسلے میں پاکستان تشریف لے گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

حیدرآباد پاکستان میں قیام رہا۔ ۱۹۵۱ء سے پھر تعلیمی سلسلہ شروع ہوا اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔[۱] ۱۹۵۳ء میں انٹرمیڈیٹ

---

[۱] پروفیسر فیاض کاوش ضیائے حرم ص ۴۵ نومبر ۱۹۷۶ء

اور ۱۹۵۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا پھر اسی سال سندھ یونیورسٹی حیدرآباد
میں داخلہ لیا، ۱۹۵۸ء میں ایم اے کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہوئے
پوری یونیورسٹی میں اول آئے جس کے صلہ میں گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے
گولڈ میڈل اور وائس چانسلر کی جانب سے سلور میڈل دیا گیا۔ اسی یونیورسٹی سے
پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان "قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر" قلم بند کیا، یہ تحقیقی
مقالہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء تک کے دوران پایۂ تکمیل کو پہنچا، یہ ٹائپ شدہ فل
اسکیپ سائز کے ایک ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالہ کے لئے موصوف نے پاک
و ہند اور دیگر ممالک کے تقریباً اکسٹھ کتب خانوں سے استفادہ کیا۔[1]

○ ڈاکٹر صاحب ۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ کالج میرپور میں بحیثیت لیکچرر مقرر ہوئے [illegible]
میں گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ (بلوچستان) میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے [illegible]
میں گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں میں پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔ اور آج تک اسی عہدہ
پر فائز ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے سال رواں ۱۹۸۱ء تک عہدہ و منصب یہی رہا جگہیں بدلتی رہیں
ٹنڈو محمد خاں سے گورنمنٹ کالج کھپرو، پھر گورنمنٹ کالج مٹھی اس کے بعد گورنمنٹ
سائنس کالج سکرنڈ نواب شاہ میں منتقل ہوتے رہے اور اب گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ
میں پرنسپل ہیں۔[2] ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سازی میں آپ کے والد گرامی حضرت علامہ
مفتی محمد مظہر اللہ قدس سرہ کی ذات بابرکات کا سب سے اہم کردار ہے اور استفادہ کے
دور اخیر میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب سے پروفیسر صاحب کافی متاثر رہے ہیں۔

○ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت
ہیں اور اجازت و خلافت حضرت علامہ مفتی محمد محمود الوری دامت برکاتہم القدسیہ
سے حاصل ہے۔

○ ڈاکٹر صاحب نہایت خوش طبع اور ظریف انسان ہیں زندگی اور حرارت ان کی
مجلس کا طرۂ امتیاز ہے، یاس و قنوطیت کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتے، تواضع و

---

[1] تعارف علماء اہلسنت ص ۱۰۱م۔ [2] اور اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں ۱۹۹۳ء میں

خاکساری کا عالم یہ ہے کہ شروع ہی سے اپنی نشست زمین پر رکھتے ہیں، سب سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ہیں، لڑنا جھگڑنا ان کا شیوہ نہیں۔ ان کے اغیار بھی ان کی تیغ محبت کے شکار ہو جاتے ہیں ان کا مسلک مسلک محبت ہے[۱]

موصوف نے زمانۂ طالب علمی ہی سے مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اور ہند و پاک کے بہت سارے رسائل و جرائد اور اخبارات میں مضامین لکھے ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی کے مضمون نگاری کے مقابلہ میں حصہ لیا اور پہلا انعام حاصل کیا اس کے بعد سے اب تک مسلسل لکھ رہے ہیں۔ مختلف کتابوں کے ترجمے کئے اور ان پر بسوط مقدمے لکھے۔ آپ کے لکھے ہوئے مضامین، مقدموں اور تبصروں کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے، جنہیں ادبی اور مذہبی دنیا میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا ہے، انداز تحریر اتنا دلنشیں، مؤثر، پر کشش اور سائنٹیفک ہوتا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، ادب، تاریخ، سوانح سیرت اور اسلامیات کے بہت سے موضوعات پر ان کی علمی و فنی کاوشیں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے امام احمد رضا کی شخصیت پر ایک دقیع اور پر مغز مقالہ قلمبند کیا جو لیڈن (ہالینڈ) کی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور پنجاب یونیورسٹی کی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں شائع ہوا۔

مقالات کے علاوہ ان کی تصانیف و تراجم چالیس سے متجاوز ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ حیدرآباد کی معاشی تاریخ (ترجمہ انگریزی) مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۸ء
۲۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات (ترجمہ انگریزی) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء
۳۔ شاہ محمد غوث گوالیاری (تالیف) مطبوعہ کوئٹہ ۱۹۶۴ء
۴۔ دائمی تقویم (ترتیب) 〃 〃 ۱۹۶۷ء
۵۔ مظہر الاخلاق 〃 مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء
۶۔ ارکان دین 〃 〃 〃 ۱۹۶۹ء

---

[۱] ڈاکٹر فیاض کاوش ضیاء حرم ص ۵۵

۷- مکاتیب مظہری " " " ۱۹۶۹ء

۸- تذکرۂ مظہر مسعود (تالیف) " " ۱۹۶۹ء

۹- مواعظ مظہری (ترتیب) " " ۱۹۶۹ء

۱۰- فتاویٰ مظہری ہر دو حصص (ترتیب) " " ۱۹۶۹ء

۱۱- مظہر العقائد (ترتیب و تحشیہ)

۱۲- سیرت مجدد الف ثانی

۱۳- مکاشفات الاسرار (میر سید علی غمگین کے دیوان رباعیات کی ترتیب)

۱۴- محبت کی نشانی (داڑھی کی اہمیت و فضیلت)

۱۵- شاعر محبت (حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی حیات)

۱۶- مولانا عبدالقدیر بدایونی مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور

۱۷- حیات مظہری مطبوعہ کراچی

۱۸- حضرت مجدد اور اقبال

۱۹- مرقع مظہری

۲۰- سراج منیر

۲۱- فتاویٰ مسعودی (ترتیب)

۲۲- موج خیال مطبوعہ مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی

۲۳- تحریک آزادی ہند اور ماہنامہ السواد الاعظم مطبوعہ رضا پبلیکیشنز لاہور (تحریک آزادی ہند میں علماء اہلسنت بالخصوص ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے)

ان تصانیف اور علمی خدمات کے اندر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب ایک عظیم محقق، عالی دماغ مفکر، دیانت دار قلمکار، مخلص فنکار اور ایک ہمدرد انسان کی حیثیت سے صاف طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۵) لیکن یہ عظیم مصنف جب ایک عظیم شخصیت امام اہلسنت فاضل بریلوی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی مظلوم اور وہ بھی امام مظلوم سے محبت و ہمدردی فطرت صالحہ کا شیوہ ہے۔ اس امام پر اغیار نے جو ظلم ڈھائے ہیں ڈاکٹر صاحب اس کی فریاد اور اس

کا استغاثہ پوری دنیا میں پہونچانے کا عزم محکم رکھتے ہیں اور حق پسند دنیا سے اس امام مظلوم کا انصاف چاہتے ہیں۔ انگریزی میں ایک مقالہ لکھا۔ The Neglected Genius of the East "ایشیا کا ایک مظلوم عبقری" ماخذ لئے ہوئے یہ ایک مختصر تعارفی مقالہ ہے لیکن مختصر ہونے کے باوجود اس نے یورپ اور امریکا کے بہت سے محققین کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ جدید دنیا میں امام احمد رضا کے تعارف کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب جس تیز رفتاری سے کام کر رہے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل مبارکباد بھی۔ آپ نے امام کی شخصیت پر نئے نئے مواد اور نئے نئے گوشے تلاش کئے ہیں اور اس کا سلسلہ پیہم جاری ہے اس وقت جس وسیع پیمانہ پر امام احمد رضا کا تعارف برصغیر کے علاوہ عرب اور یورپ وغیرہ میں ہو رہا ہے اس میں بیشتر کامرانیوں کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں میں خاص طور سے امام احمد رضا کی شخصیت سے متعلق غلط خیالات وتصورات بٹھا دیئے گئے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی تصانیف سے اس طرح کے خیالات وتصورات کے ہوش ربا طلسمات پاش پاش ہو رہے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں اس شخصیت پر آپ کی پہلی کتاب "فاضل بریلوی اور ترک موالات" ہے۔ جس سے جدید انداز تحقیق میں بالکل پہلی بار فاضل بریلوی کا تعارف ہوا۔ اور ان سے متعلق پھیلے ہوئے بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو گیا۔ اس کے متعدد ایڈیشن سرزمین پاکستان سے شائع ہوئے۔ اسی کتاب کی ترتیب کے دوران مصنف کے سامنے امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت کے کچھ ایسے پہلو سامنے آئے کہ مصنف نے ایک دوسری کتاب کا ارادہ کر لیا اور ان کو اس شخصیت کا صحیح تعارف حاصل ہوا۔ خود لکھتے ہیں کہ "اس مقالہ (فاضل بریلوی اور ترک موالات) کے دوران فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف گوشے سامنے آئے اور آنکھیں کھل گئیں۔ خیال آیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اوروں کو بھی دکھا دوں اور دکھانے کے لئے کچھ اور دیکھ لوں۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں پیش نظر مقالہ کے لئے مواد کی فراہمی شروع کر دی۔"[۱] آپ کی دوسری کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" ہے۔

---

[۱] فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں۔ ص ۱۲ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڈھ۔ ہند ۱۹۸۱ء / ۱۴۰۱ھ

اس کتاب میں مصنف نے دکھایا ہے کہ علمائے حرمین شریفین نے اس امام کو کتنی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے اور اسے کتنے عظیم خطابات و القاب سے نوازا ہے اور اس امام کی بارگاہ میں اپنی اپنی عقیدت و محبت کے کیسے کیسے نذرانے پیش کئے ہیں۔ اس کتاب نے امام احمد رضا کا ایسا مؤثر تعارف پیش کیا کہ بہت سے غیر جانبدار ارباب علم و بصیرت فاضل بریلوی کی شخصیت سے متاثر ہوئے ہیں نیا تعلیم یافتہ طبقہ اس کتاب سے متاثر ہونے لگا اس میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ مواد اصل مآخذ سے لئے جائیں، افکار و واقعات کے درمیان ربط و تسلسل، اقتباسات کے حوالوں کی دیانتدارانہ پابندی، تعصب و تنگ نظری سے ہٹ کر ہر مسئلہ کا محققانہ جائزہ، فاضل بریلوی پر شاتمانہ عبارتوں تک کی سنجیدہ اور متین تنقید، مسائل و واقعات کی چھان بین میں بھر پور کد و کاوش اور عیسوی سنوں کی بنیاد پر مرتبہ تاریخوں کی مطابقت کی آسانی کے لئے سنہ ہجری کے ساتھ سنہ عیسوی کا بھی التزام اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ ایسا مؤثر تعارف ہے جواب تک نہ پیش کیا گیا تھا اس کتاب کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ چند سالوں کے اندر ہند و پاک سے اس کے چھ ایڈیشن[۲] شائع ہوئے۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ امام احمد رضا کی شخصیت پر مصنف کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) حیات فاضل بریلوی (مختصر) مطبوعہ بزم رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

(۲) حیات امام احمد رضا (متوسط)

(۳) حیات امام احمد رضا (مبسوط)

(۴) امام اہلسنت زیر طبع باہتمام المجمع الاسلامی مبارکپور

(۵) اکرام امام احمد رضا۔ (ترتیب و تحشیہ)

(۶) عاشق رسول مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور

(۷) کلام الامام۔

---

[۱] فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ تعارف۔ از مولانا محمد احمد مصباحی ص ۴ المجمع الاسلامی مبارکپور

[۲] چھٹا ایڈیشن سال رواں سنہ ۱۹۸۱ء ہی میں المجمع الاسلامی مبارکپور نے شائع کیا ہے۔

اور اب یہ آپ کے ہاتھوں میں "گناہ بے گناہی" ہے۔ سچ پوچھئے تو پچھلے برسوں میں امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت کے سلسلے میں جو تغافل و تساہل برتا گیا تھا۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب اور مجلس رضا لاہور کے تیز تر کارنامے ان غفلتوں کا کفارہ بن گئے ہیں خدا لئے قدیر مجلس رضا (لاہور) کو قائم و دائم رکھے اور پروفیسر مسعود احمد صاحب کو تا دیر سلامت رکھے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند کرے۔ آمین

○ پروفیسر صاحب کی کتابوں کا اسلوب نگارش؟ سبحان اللہ! ماشاء اللہ!! نہایت مؤثر، پرکشش، دلفریب، سائنٹفک، دلربا اور وجدان کو چھو لینے والا ہوتا ہے جو پڑھتا ہے۔ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تحریریں پرجستگی اور روانی اتنی کہ جیسے قلم کو جنبش دی گئی ہو اور وہ سیل رواں کی طرح بہتا چلا گیا ہو، مدلل اس طرح کہ جو بات بھی کہی گئی ہے سند اور حوالہ سے کہی گئی ہے، انداز نگارش ممتاز، منفرد، سنجیدہ اور پروقار، جب وہ اپنی کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" اغیار کی غیر سنجیدہ عبارتوں کا بھی جائزہ لیتے ہیں تو ان کے ہاتھ سے سنجیدگی کا دامن چھوٹنے نہیں پاتا میں اپنے ذوق کے مطابق جن شخصیتوں کے اسلوب نگارش سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوں ان میں پاکستان کی دو شخصیتیں ہیں ایک تو یہی پروفیسر مسعود احمد صاحب اور دوسرے مولانا پیر کرم شاہ ازہری مدیر اعلیٰ ضیاء حرم (سرگودھا) دونوں کو ان کے خالق نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے۔

○ زیر نظر مقالہ "گناہ بے گناہی" پروفیسر مسعود احمد صاحب کی ادبی اور دلنشین تحریر کا ایک شاہکار، ان کے ذوق تحقیق و شیوۂ انصاف کا ایک حسین گلدستہ اور ان کے اسلوب بیان کا ایک دلکش نمونہ ہے۔ امام احمد رضا پر لگائے جانے والے انگریز دوستی کے خطرناک اور المناک الزام و اتہام کا قلع قمع کرنے کی یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ انگریز کے قول "جھوٹ کو اتنا بولو کہ سچ معلوم ہونے لگے یا سچ ہو جائے" اس کے مطابق ہمارے اغیار اپنے بزرگوں کی حمایت اور اپنے ہر مقابل و حریف کی مخالفت میں ہمیشہ اتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ حالات سے ناآشنا اور خالی الذہن افراد اسی کو سچ تصور کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ سنجیدہ علمی تحقیقات سے کذب و افتراء کے پردے چاک چاک ہو رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی

اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے سیاسی کردار سے متعلق راجہ غلام محمد کی کتاب "امتیاز حق" (طبع دوم از المجمع الاسلامی مبارکپور) نے بیشمار اہل انصاف کو صحیح راہ دکھائی ہے یوں ہی پروفیسر صاحب کا یہ مقالہ تعصب و تنگ نظری سے ہٹ کر جو بھی پڑھے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے شکوک تار تار ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو بات بھی لکھی ہے۔ ٹھوس دلیل اور مضبوط سند کے ساتھ لکھی ہے وقت کی ایک اہم ضرورت تھی کہ اس موضوع پر بھی دنیا کے سامنے حقائق رکھ دیئے جائیں۔ پورے اہلسنت وجماعت کے اس قرض کو ڈاکٹر صاحب کے قلم نے ادا کر دیا، پوری جماعت ان کی اس کاوش کے لئے مرہون منت رہے گی۔

ربّ قدیر ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی یہ خدمت قبول فرمائے اور اس کی افادیت عام وتام کرے آمین۔ ڈاکٹر صاحب کے ہم شکر گذار ہیں کہ انہوں کے مقالہ کی تکمیل کے فوراً بعد اس کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی ارکان المجمع الاسلامی کے لئے ارسال فرمائی جو کتابت و طباعت کے مراحل سے بہت جلد گزر کر آپ کی خدمت میں پہنچ رہی ہے۔ ادھر انگلینڈ سے بھی یہ کتاب طبع ہو رہی ہے۔ جس نیک مقصد وارادہ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ربّ تعالیٰ اس میں کامیابی مرحمت فرمائے اور ہم سب کو بیش از بیش خدمات اسلام کی توفیق بخشے۔ بجاہ حبیبہ ونبیہ سید المرسلین آمین۔

افتخار احمد قادری

المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڈھ (ہند)

یوم جمعہ مبارک یکم شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ رجون ۱۹۸۱ء

المجمع الاسلامی کی مطبوعات
اسلام اور امن عالم
مولانا بدر القادری
اسلام اور تربیت اولاد
مولانا بدر القادری
جمیل الشیم (نعت)
مولانا بدر القادری
بادۂ حجاز (نعت)
مولانا بدر القادری
الرحیل (انقلابی نظمیں)
مولانا بدر القادری
امام احمد رضا اور تصوف
مولانا محمد احمد مصباحی
تذکرہ علمائے بستی
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
مصری مورخین
" ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
المبین (فضیلت زبان عربی)
پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری
امتیاز حق
راجا غلام محمد لاہور
حقائق تحریک بالاکوٹ
شاہ حسین گردیزی
نور الایمان (زیارت آثار)
مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی
صحابہ کا عشق رسول
صوفی محمد اکرم رضوی
اجالا (سوانح اعلیٰحضرت)
پروفیسر مسعود احمد
مسنون دعائیں
محمد عبد المبین نعمانی
تدوین قرآن
مولانا محمد احمد مصباحی
تحقیق الفتوی
علامہ فضل حق خیرآبادی
فلسفہ اور اسلام
امام احمد رضا بریلوی
کلام رضا (تحقیقی جائزہ)
نظیر لدھیانوی
ہندوستان اور مسلمان
مولانا بدر القادری
Rs. 24